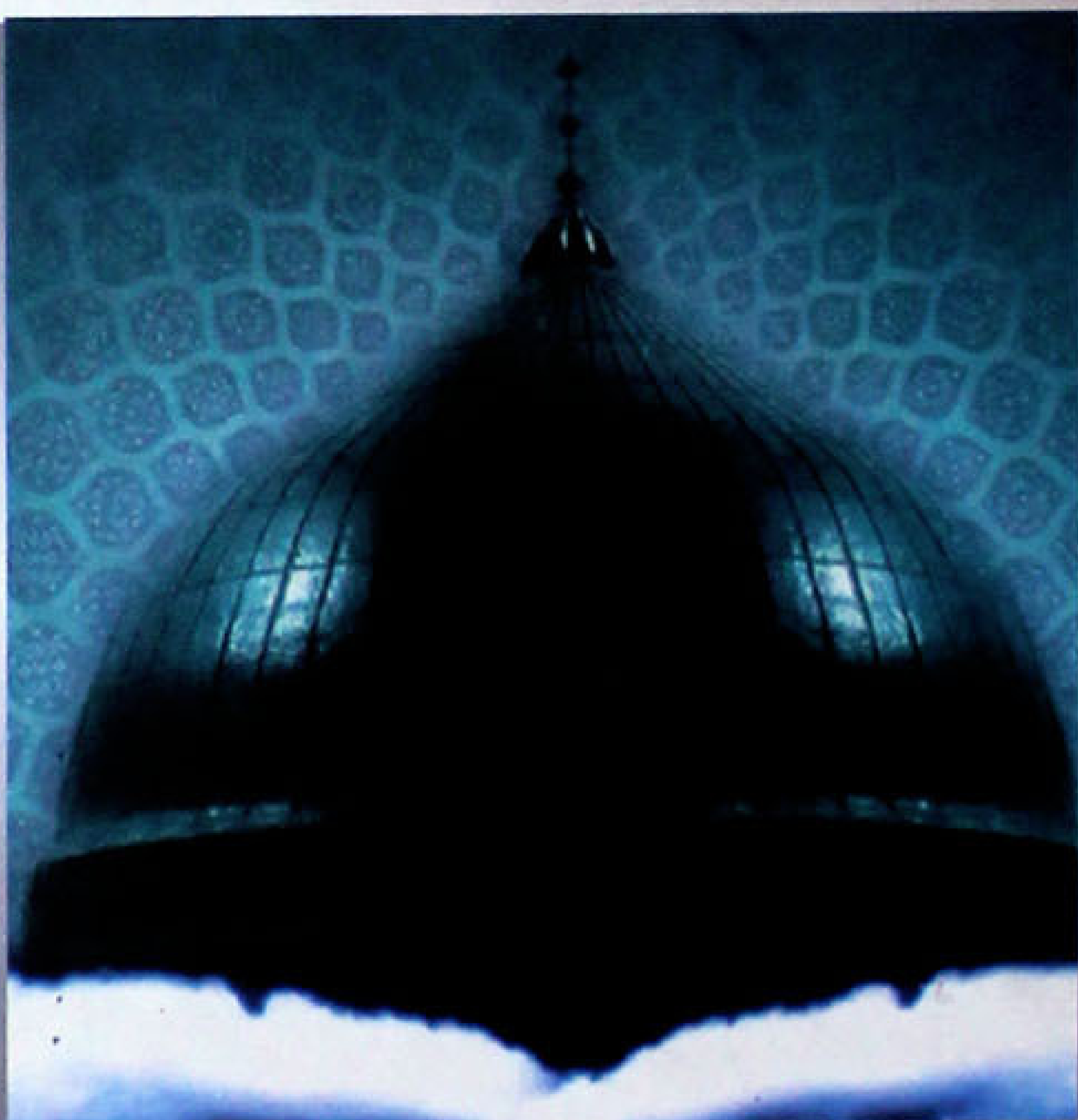
مقامِ ولایت و نبوّت


تصنیف

مفسر قرآن و شارح حدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا
اور آپ کو سکھایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے
سورۃ النساء
۴ - ۱۱۳

مقامِ ولایت و نبوت

نبی اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خداداد علوم غیبیہ
اور وسیع اختیارات کا ایمان افروز، مدلل اور عالمانہ بیان

تجزیہ :
علامہ غلام رسول سعیدی
صاحب تفسیر تبیان القرآن و شارح مسلم شریف
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	مقام ولایت و نبوت
مؤلف	علامہ مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	مارچ 2014ء، بار اول
مطبع	اوریلیاء پرنٹرز
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TF71

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔
فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

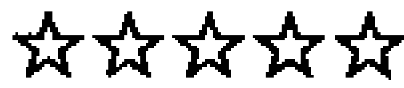
فہرست مضامین

مقامِ ولایت و نبوت

الاھداء

میں اپنی اس تالیف کو اپنے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالمجید صاحب اویسی کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو میرے سب سے پہلے استاذ ہیں جن کی بے پناہ شفقتوں سے میں علم دین کو کما حقہ حاصل کرنے کے قابل ہوا آج بھی جب ان کا بے انداز لطف وکرم یاد آتا ہے تو آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔

غلام رسول سعیدی



تقدیم

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مقامات میں بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ لیکن تمام مقامات اور کمالات صرف دو چیزوں کے گرد گھومتے ہیں اور وہ ہیں علم اور قدرت۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ذاتی علم کی نفی کرائی ہے اور فرمایا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ (الانعام:۵۰)
آپ کہئے کہ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں۔

اسی طرح ذاتی قدرت کی بھی آپ سے نفی کرائی اور فرمایا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا۔ (الاعراف:۱۸۸)
آپ فرما دیجئے میں (ذاتی طور پر) اپنے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف عطائی تھا آپ کی ذات اور آپ کا وجود بھی عطائی تھا۔ پھر بالخصوص علم اور قدرت کی بطور ذاتی نفی کرنے اور بلحاظ عطائی ثابت کرنے میں کیا خصوصیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے جیسا امام رازی، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ الوہیت کا مدار دو صفتوں پر ہے علم اور قدرت۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے علم ثابت نہ ہو تو وہ کچھ نہیں جان سکتا کہ اس کی مخلوق کیا کر رہی ہے اس کے احکام کی تعمیل میں مصروف ہے یا نافرمانی میں اور اگر علم ہو اور قدرت نہ ہو تو وہ نیکوکاروں کے ثواب اور بدکاروں کی گرفت پر قادر ہوگا اور نہ ہی مخلوق سے اپنی اطاعت کرا سکے گا اور اس طرح نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان میں کمال علمی دیکھا کہ وہ بتا دیتے تھے کہ کیا کھا کر آئے ہو اور کیا گھر رکھ کر آئے ہو اور قدرت کا کمال دیکھا کہ انہوں نے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیا، کوڑھیوں کو شفا دے دی، مردے زندہ کر دیئے۔ تو ان میں علم اور

قدرت کا یہ کمال دیکھ کر ان کی امت نے انہیں اللہ یا اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ علم دیا اور فرمایا:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء:۱۱۳)

آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ ہم نے آپ کو بتلایا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔

نیز فرمایا:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔(طٰہٰ:۱۱۴)

(آپ دعا کیجئے کہ) اے رب! میرے علم میں زیادتی فرما۔

اس کے باوجود آپ سے خصوصاً علم کی نفی کرائی کیونکہ یہی وہ صفت ہے جس سے الوہیت کا اشتباہ ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو صرف ''کیا کھا کر اور کیا رکھ کر آئے ہو'' یہ بتلایا تھا۔ آپ نے تو ''ما کان وما یکون'' کی خبریں دی ہیں، تمام اولین و آخرین کے واقعات بتلائے ہیں، قیامت تک کی پیش گوئیاں کی ہیں، ماں کے رحم سے لے کر باپ کی صلب تک ہر چیز کی خبر دی ہے، جنت اور دوزخ کے حالات بتلائے ہیں۔ علم کے اس وافر ذخیرہ کی بناء پر عین ممکن تھا کہ کوئی آپ کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے کہلوا دیا ''لا اعلم الغیب'' میں از خود کچھ نہیں جانتا تم مجھ میں یہ جس قدر علمی کمالات دیکھتے ہو، یہ سب خدا کے عطا کردہ ہیں، ان میں سے کوئی علم بھی ذاتی نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قوت اور قدرت عطا فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ﴿۱﴾ (الکوثر:۱)

ہم نے آپ کو ہر قسم کی خیر کثیر عطا فرمائی۔

نیز فرمایا:

نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔(التوبہ:۷۴)

ان منافقین کو نہ برا لگا مگر یہ کہ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

نیز فرمایا:

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (حضرت زید پر) اللہ نے انعام کیا اور آپ نے اس پر انعام کیا۔ (الاحزاب:۳۷)

اور فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔ (الشوریٰ:۵۲)

اس کے باوجود آپ سے کہلوایا ''لَآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا'' کیونکہ قدرت کے چند مظاہر دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے انہیں خدا مان لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بیش از بیش قدرت کے مظاہر دکھلائے تھے۔ آپ کے اشارے سے درخت جڑوں سمیت چلے آتے تھے، آپ کی توجہ سے جانور کلمہ پڑھ لیتے، آپ کا ہم زاد مسلمان ہوا، مردہ گوشت کے پارچہ میں زندگی آئی اور اس نے آپ کے دہن اقدس میں کہا: ''إِنِّيْ مَسْمُوْمٌ'' (مجھ میں زہر ملا ہوا ہے) جس پہاڑ پر آپ چڑھتے وہ فرط مسرت سے جھوم اٹھتا، آپ نے اپنے لعاب دہن سے کتنے بیماروں کو شفایاب کیا، آپ کی پھونک کے اثر سے بیمار تندرست ہو جاتے، آپ کی شفاعت سے نجانے کتنوں کی مغفرت ہو گی۔ لیکن قدرت کے ان عظیم مظاہر دکھانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا: میں ان امور میں کسی امر پر از خود قدرت نہیں رکھتا، مجھے تو اپنی جان پر بھی نفع یا نقصان کا ذاتی اختیار نہیں ہے تاکہ کسی مرحلہ پر امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت کے کمالات دیکھ کر آپ کے بارے میں الوہیت کا شبہ نہ کرے۔

اس کے علاوہ آپ کی باقی صفات ایسی نہیں ہیں جن پر الوہیت کا شبہ ہو سکے مثلاً وجود پر کوئی الوہیت کا شبہ نہیں کر سکتا کہ یہ سب میں مشترک ہے۔ عبدیت اور رسالت میں بھی تمام بندے اور رسول آپ کے شریک ہیں۔ صداقت، سخاوت، شجاعت، عبادت، شہادت ان میں سے کوئی صفت بھی ایسی نہیں ہے جو عام لوگوں میں مشترک نہ ہو یا جس پر الوہیت کا شبہ پڑتا ہو اس کے باوجود آپ اپنی ہر صفت میں تمام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ عبد ہیں مگر ایسے

عبد کہ جن کی عبدیت پر خدا ناز کرتا ہے۔ ''فَلَا وَ رَبِّکَ۔ مما نزلن علی عبدنا۔ اسری بعبدہ''۔ رسول ہیں مگر ایسے رسول کہ تمام رسل ان کی رسالت کا صدقہ ہیں۔

صادق ہیں مگر ایسے صادق کہ جو بات کہی دیکھ کر کہی۔ حتیٰ کہ خدا کو بھی دیکھ کر خدا کہا کائنات میں ان جیسا صادق کون ہے؟

سخی ایسے ہیں کہ ساری کائنات کو سخاوت کی ترغیب دینے والا خدا ان سے فرماتا ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ (الاسراء:۲۹)　　بہت زیادہ سخاوت نہ کیا کرو۔

عابد ایسے ہیں کہ انہیں معبود خود کہتا ہے:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (المزمل:۲)　　رات کو کم عبادت کیا کرو۔

شاہد ایسے ہیں کہ جس چیز کی شہادت دی دیکھ کر دی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ کر شہادت دی۔ وہ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شہادت بعد میں دی اس سے پہلے ارواح انبیاء کے گروہ میں خود خدا نے ان کی شہادت دی۔

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ　(آل عمران:۸۱)　　(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے پر) تم بھی گواہ ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

جن کی مرضی اللہ کا قانون کہلائے، جن کی توجہ قبلہ بن جائے، جو کوثر وتسنیم کے مالک ہیں، جن کی حمد ان کا رب عظیم کرتا ہے، میدان محشر میں جن کی تمام انبیاء کو حاجت ہے، جن کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، مقام محمود پر فائز ہوں گے، جو ایک سجدہ کریں تو میدان محشر کا سارا نقشہ بدل جائے ان کے مقامات اور مجھ جیسا گناہ گار کا قلم یہ کیسے ممکن ہے؟ بس یہی سوچا کہ مقامات تو ان کے ان گنت ہیں لیکن علم اور قدرت ایسا کمال ہے جو کہ مظہر شان الوہیت ہے جن کی اتنی اہمیت ہے کہ خدا نے سب کچھ دے کر بھی کہہ دیا کہ کہہ دو کہ یہ ہمارا نہیں ہے۔ علم اور قدرت بھی آپ کے اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے کمالات کی اصل ہے اس لئے آپ کے تمام کمالات کی گنتی کیا کیجئے۔ علم اور قدرت پر ہی بحث کر لیں جب علم اور قدرت میں آپ کا مقام آشکارا ہوگا تو باقی تمام کمالات بھی روشن تر ہوتے چلے

جائیں گے۔

''توضیح البیان طبع اول ۱۹۶۹ء'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر مکارم وفضائل کے علاوہ آپ کے علم اور قدرت پر بھی قدرے روشنی ڈالی تھی۔ بعض مخالفین نے ۱۹۸۱ء میں بارہ سال بعد اس کے ایک باب کے رد میں ''اتمام البرہان'' نامی ایک کتابچہ لکھا جس میں سوقیانہ تحریر اور سب وشتم کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم نے اس کتاب کو لائق التفات نہیں سمجھا کہ ایسی باتوں کا جواب نہیں ہوا کرتا۔ تاہم جزئیات میں الجھنے کی بجائے ہم نے علم اور قدرت سے متعلق ہر پہلو پر اصولی مباحث بیان کر دی ہیں جن کو پڑھنے سے ''اتمام البرہان'' کی تمام جزئیات کا جواب واضح ہو جائے گا۔

اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم نے علم اور دوسرے حصہ میں قدرت سے بحث کی ہے اور علم اور قدرت سے متعلق جتنے گوشے اب تک مخفی تھے، وہ سب اجاگر کر دیئے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں مناظرانہ انداز اختیار نہیں کیا بلکہ اہل علم اور اہل دل کے سامنے اس موضوع پر تحقیقی مواد پیش کر دیا ہے اور مخالفین کے مسلم اکابر کی عبارات سے بہ کثرت استدلال کیا ہے البتہ کہیں کہیں خصوصیت سے ''اتمام البرہان'' کی کسی جزوی الجھن کا بھی حل پیش کر دیا ہے۔

یہ کتاب دراصل اپنے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے۔ لیکن ''اتمام البرہان'' کے مصنف کو بھی شکایت نہیں ہوگی کیونکہ علم اور قدرت سے متعلق تمام مسائل پر ہم نے مفصل بحث کر دی ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ بہت قلیل وقت میں بے حد مصروفیات کے باوجود ماہ رجب کے اواخر سے رمضان المبارک کے اوائل میں یہ کتاب اختتام پذیر ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ اس کو مخالفین کے لئے ہدایت اور موافقین کے لئے استقامت کا سبب بنائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی

آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

علم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائشی نبی تھے اور چونکہ نبی وہ ہوتا ہے جسے علم غیب حاصل ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اظہار نبوت سے پہلے بھی غیب کا علم تھا۔ پھر نزول وحی کے بعد بتدریج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ نزول وحی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم کلی مکمل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کلی پر اساطین اسلام نے اپنی متعدد تصانیف میں علم ''ما کان و ما یکون'' کا اطلاق کیا ہے۔ لیکن سخت حیرت ہے کہ بعض علماء دیوبند حضور کے علم پر علم کا اطلاق بھی جائز نہیں رکھتے۔

حضور کے علم پر علم کا اطلاق

چنانچہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان هذه الخمس لما كانت من الامور التكوينية دون التشريعية لم يظهر عليها احدا من انبيائه الا بما شاء و جعل مفاتيحه عنده فقال و عنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو لا نهم بعثوا للتشريع فالمناسب لهم علوم التشريع دون التكوين ثم المراد منه اصولها و اما علم الجزئيات فقد يعطى منه الاولياء رحمهم الله تعالى ايضاً۔

جان لو کہ یہ امور خمسہ(1) جبکہ امور تکوینیہ سے ہیں نہ کہ تشریعیہ سے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے کسی پر ان امور خمسہ کو ظاہر نہیں فرمایا، مگر جس قدر چاہا اور امور خمسہ کی چابیاں اپنے پاس رکھیں اور فرمایا: ''غیب کی چابیاں اس کے پاس ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ پھر امور خمسہ سے مراد امور خمسہ کے اصول ہیں کیونکہ امور خمسہ کی جزئیات کا علم تو اولیاء رحمہم اللہ کو بھی

1۔ پانچ چیزوں کا علم، قیامت، بارش، کل کیا ہوگا؟ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور کون کہاں مرے گا؟

لان علم الجزئیات لیس بعلم فی الحقیقة لکونها محیطا للتحولات والتغیرات ولان علم جزئی لا یوصل الی علم جزئی آخر فکانه لیس علما انما العلم علم یوصل الی علم جمیع افراد ذلک النوع و لیس ذلک الاعلم اصول الشی۔ الاتری ان الوفا من المصنوعات تجلب الینا من دیار الاوربا و نحن نشاھدھا ونعلمها ولکن لا علم لنا باصول لها فای علم حصلناہ بتلک الجزئیات و لکن العلم هو العلم الکلی یتمکن به من علم الجزئیات من ذلک النوع باسرها یطلع علی حقائقها و الیه اشار سبحانه بالمفاتیح فانک اذا او تیت مفتاحا علی فتح المغالیق کلها مما اردت و لیس هذا الشان الا شان العلم الکلی۔ فلم یعط احد الاجزئیات منتشرة اما العلم الذی کالمفتاح فهو عند ربک الذی لاتخفی علیه خافیة

(انور کاشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱)

دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جزئیات کا علم حقیقت میں علم نہیں ہوتا کیونکہ وہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک جزی کا علم دوسری جزی تک نہیں پہنچاتا۔ پس گویا کہ وہ علم نہیں ہے اور علم حقیقت میں اس کو کہتے ہیں جو اس نوع کے جمیع افراد کے علم تک پہنچا دے۔ اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک کسی شے کے اصول کا پتہ نہ چل جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یورپ سے ہزاروں مصنوعات ہمارے پاس آتی ہیں ہم ان کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ لیکن ہم کو ان کے اصول کا علم نہیں ہوتا؟ تو ان جزئیات کے جاننے سے ہم نے کون سا علم حاصل کیا؟ لیکن حقیقت میں علم، علم کلی کا نام ہے جس کا جاننے والا جزئیات کے علم سے اس نوع کے تمام افراد اور حقائق کے علم پر قادر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”مفاتیح“ (چابیاں) کے لفظ سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جب تم کو چابی دے دی جائے گی تو تم جب چاہو تمام تالوں کو کھولنے پر قادر ہو جاؤ گے اور یہ شان صرف علم کلی کی ہے۔ پس کسی شخص کو بھی

جزئیات منتشرہ سے زائد علم نہیں دیا جاتا۔
رہا وہ علم جو بہ منزلہ چابی کے ہے۔ پس وہ
تمہارے رب کے پاس ہے، جس سے کوئی
چیز مخفی نہیں ہے۔

کاشمیری صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر علم کا اطلاق نہ کرنے کے سلسلہ میں جو دلائل قائم کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ علم وہ ہے جو منطقی اصطلاح میں کلی کاسب اور موصل ہے۔ یعنی جب کسی چیز کے علم میں یہ صلاحیت ہو کہ اس کے علم سے اس نوع کے تمام افراد کا علم ہو جائے تو وہ علم ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو انسان کا علم ہو تو وہ انسان کے ضمن میں انسان کے جتنے افراد ہیں مثلاً زید و عمر، بکر ان سب کو جان لے گا۔ کیونکہ یہ سب انسان ہی ہیں۔ اس لئے کہ انسان ایک کلی ہے اور زید، عمرو، بکر سب اس نوع کے افراد اور جزئیات ہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی شخص کو زید کا علم ہو تو اس سے اس کو انسان کے تمام افراد تو کجا عمرو کا علم بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ مثلاً زید کے علم سے عمرو کا علم نہیں ہو سکتا۔ کاشمیری صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو اگر اللہ تعالیٰ نے چند جزئیات مثلاً کسی کے مرنے، جینے اور "کل کیا ہوگا" کا علم دیا ہے تو اس علم میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس سے قیامت تک کے واقعات کا استخراج ہو سکے۔ اس لئے آپ کو جو کچھ بھی علم دیا گیا ہے وہ حقیقت میں علم نہیں ہے۔ (معاذ اللہ)

بخلاف اللہ تعالیٰ کے علم کے کہ اس کا علم (العیاذ باللہ) کلی اور کاسب ہے وہ ایک جزی کے علم سے اس نوع کے تمام افراد اور حقائق کو جاننے پر قادر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم بہ منزلہ چابی ہے، جب چاہا اس چابی سے معلومات کے تالوں کو کھول کر علم حاصل کر لیا۔

کاشمیری صاحب نے اس مقام پر دو غلطیاں کیں:

اولاً: یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی نفی کی۔

ثانیاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو کلی، کاسب اور بہ منزلہ چابی کے قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے لئے بالقوۃ علم مانا اور بالفعل اللہ تعالیٰ سے بھی علم کی نفی کر دی۔

ثالثاً: یہ کہ علم کی یہ تعریف کہ وہ کاسب ہو کسی اہل علم سے منقول نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو کاسب علم کی قسم ہے۔ کیونکہ جب کسی کو کسی چیز کا علم حاصل کرنا ہوتا ہے تو اس کے مقدمات کو ذہن میں ترتیب دیتا ہے اور وہ مقدمات ذہنیہ اسی چیز کے علم کے لئے کاسب قرار پاتے ہیں۔

علاوہ ازیں کاسب کی صرف دو قسمیں ہیں قول شارح اور حجت اور کسی نے بھی ان مین علم کا حصر نہیں کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے علم پر کاسب یا موصل کا اطلاق کرنا خواہ وہ قول شارح ہو یا حجت ایک ایسی جرأت ہے جس سے قلب مومن لرز جاتا ہے۔

باقی رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر علم کا اطلاق کا ثبوت تو وہ اجلی بدیہات میں سے ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ کا عظیم ذخیرہ ان اطلاقات سے پر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب علم ہونے پر کسی مسلمان کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

تدریجی علم

اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اقول و باللہ التوفیق جب فرقان مجید میں ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل اور اہل سنت کے مذہب میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیانات محیطہ اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم سے پوچھ دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟

قال اللہ تعالیٰ:

وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ۔ (القمر: ۵۳) — ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ:

وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ (یٰس: ۱۲) — ہر شے ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرما دی ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ:

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۹ (الانعام:۵۹)

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ ''کل'' تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے، بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں۔ ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے نہ حدیث احاد اگر چہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے، بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظن سے تخصیص ہو سکے تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ''ما کان و ما یکون الی یوم القیامۃ'' جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض و عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا؟ وللہ الحجۃ السامیۃ اور جب کہ یہ علم قرآن عظیم کے ''تبیانا لکل شئی'' ہونے نے دیا اور ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورۃ کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو: لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ (المومن:۷۸) یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے ''لا تعلمھم'' ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نافی نہیں۔ الحمد للہ طائفہ تائفہ وہابیہ جس قدر قصص وروایات واخبار وحکایات علم عظیم محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھٹانے کو آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے، سب کا جواب دہن دوز رفتن سوز انہیں دو فقروں میں ہو گیا۔ دو حال سے خالی نہیں یا تو ان قصص کی تاریخ معلوم ہو گی یا نہیں اگر نہیں تو ان سے اسناد جہل مبین کہ جب تاریخ مجہول ہو تو ان کا تمامی نزول قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول ہے اور اگر ہاں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ تاریخ

تمامی نزول سے پہلے کی ہوگی یا بعد کی بر تقدیر اول مقام سے محض بیگانہ اور مستدل نہ صرف جاہل بلکہ دیوانہ بر تقدیر ثانی اگر مدعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو تو استناد محض خرط القتاد مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کی ہیں۔ ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھا سکتے اور اگر بفرض غلط تسلیم ہی کر لیں تو ایک ہی جواب جامع ونافع وقامع سب کے لئے شافی وکافی کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی۔

(مصنف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ انباء المصطفیٰ ص ۴۔۳)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اس طویل اقتباس کو ہم نے اس لئے نقل کیا ہے کہ یہ ثابت اور ظاہر ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو تدریجی مانتے ہیں۔ اور نبوت کا معنی بھی ہے: ''النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب'' ''زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۱۸، شفاء ج ۱ ص ۱۶۱''۔ یعنی نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے جیسا کہ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے ''مواہب'' میں اور قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے ''شفاء'' میں بیان کیا۔

نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۵ھ حقیقت نبوت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

و وراء العقل طور اخر تنفتح فیه عین اخری یبصر بالغیب وما سیکون فی المستقبل و امور اخر العقل معزول عنها۔ (المنقذ من الضلال ص ۵۴)

عقل سے آگے ادراک کا ایک اور ذریعہ ہے جہاں سے ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے، اس آنکھ سے نبی غیب امور مستقبلہ اور دیگر باتوں کو دیکھ لیتا ہے جہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔

جب اساطین ائمہ اسلام، امام غزالی، علامہ قسطلانی اور قاضی عیاض کے حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ نبی کے معنی ہیں ''غیب جاننے والا''۔ تو اس بنیاد پر اعلیٰ حضرت نے ''یَاَیُّهَا النَّبِیُّ'' کا ترجمہ ''اے غیب بتانے والے'' کیا ہے اور یہ ترجمہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔
لیکن بعض مخالفین نے اس ترجمہ کے خلاف یہ لکھا کہ:
خان صاحب نے ''یَاَیُّهَا النَّبِیُّ'' کے معنی ''اے غیب بتانے والے'' کیے ہیں۔ ہم

نے اس پر "تنقید متین" میں گرفت کی تھی کہ اگر غیب سے بعض خبریں مراد ہیں تو بجا ہے لیکن اگر کلی غیب جس میں تمام خبریں شامل ہوں تو یہ درست نہیں ہے (اور خان صاحب غیب سے کلی غیب ہی مراد لیا کرتے ہیں) کیونکہ نبوت تو آپ کو غار حرا میں عطا ہوئی تھی اور پہلی وحی ملنے کے ساتھ ہی آپ نبی تھے۔ مگر آپ کو غیب کی سب خبریں وہاں عطا نہیں کی گئیں تھیں تو کیا (معاذ اللہ) آپ اس وقت نبی نہ تھے؟ (محصلہ ۲۶، ۲۷، اتمام البرہان ص ۱۸)

اور جب مخالف مذکور سے کہا گیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے "یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ" کا ترجمہ "اے غیب بتانے والے" کیا ہے۔ سب غیب کا یہاں کب ذکر ہے اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ کیونکہ اعلیٰ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تدریجی علم غیب مانتے ہیں۔ تو بعض مخالفین نے لکھا:

خان صاحب نے اگرچہ لفظاً اس مقام پر کلی کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن وہ عموماً اور ہر مقام پر لفظ غیب سے "جمیع ما کان و ما یکون" ہی مراد لیتے ہیں اور اہل حق سے ان کا اختلاف اور نزاع بلکہ عناد بھی اسی بات میں ہے اس لئے ان کے ذہن کے مطابق یہاں کلی مراد ہے۔ (اتمام البرہان ص ۲۴)

بعض مخالفین کی یہ تحریر اس لئے کوئی وزن نہیں رکھتی کہ ہم ابھی ابھی "انباء المصطفیٰ" سے اعلیٰ حضرت کی عبارت کا ایک طویل اقتباس نقل کر چکے ہیں۔ جس میں اعلیٰ حضرت نے روز روشن سے زیادہ واضح الفاظ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ مکمل ہوا۔ یعنی تکمیل نزول قرآن سے پہلے آپ کو علم کلی حاصل نہیں تھا۔

اس واضح تصریح کے بعد بھی اسی بات پر اصرار کرنا کہ اعلیٰ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب اور جہاں بھی "علم" کا لفظ بولتے ہیں اس سے مراد ان کی "علم کلی" ہوتی ہے۔ جان بوجھ کر حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

نیز اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

و سنلقی علیک ان تعلیم اللہ تعالی لہ   اور عنقریب ہم تم سے بیان کریں گے کہ

ﷺ کان بالقران و القران نزل نجما و لم یکن کل وقت فصدق البعض فی الاوقات و فی المعلومات جمیعا و لکنهم انما یریدون به القلیل و الندر الیسیر قیاسا له ﷺ علی انفسهم لئیمة۔ کما ھی للمشرکین من قدیم الزمان شیمة اذ قالوا للرسل ما انتم الا بشر مثلنا۔

(مصنف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، الدولۃ المکیۃ ص ۷۴۔ ۷۳)

اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ کو سکھانا بذریعہ قرآن عظیم ہوا۔ اور قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور ہر وقت نہیں اترتا تھا۔ تو اوقات اور معلومات دونوں میں بعض ہونا صادق ہوا مگر یہ کہ وہابیہ اس بعض سے قلیل وحقیر واندک مراد لیتے ہیں۔ یوں کہ نبی ﷺ کو اپنے کمینہ نفسوں پر قیاس کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین کی قدیم زمانہ سے عادت ہے۔ جب کہ وہ رسولوں سے کہا کرتے تھے: تم تو نہیں ہو مگر ہم جیسے آدمی۔

اس عبارت میں بھی اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضور ﷺ کے علوم کی تکمیل قرآن کریم کے ساتھ تدریجاً ہوئی یہ نہیں کہ وہ ابتداء کل غیب کو جانتے تھے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

واذ قد علمت ان علمه ﷺ مستفاد من القرآن العظیم و کونه تفصیلا بکل شئ و تبیانا بکل شئی و صف للکتاب الکریم لا لکل ایة ایة او سورة سورة منه والقران ما نزل دفعة بل نجما نجما فی نحو ثلاث عشرین سنة فکلما نزلت ایة او سورة زادته ﷺ علوما الی علوم الی ان تم نزول القران فتم لکل شیء التفصیل والتبیان و اتم الله نعمته علی حبیبه کما کان و عد به

اور تمہیں علم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا علم قرآن عظیم سے مستفاد ہے۔ اور ہر چیز کا روشن بیان اور ہر شئ کی تفصیل ہونا یہ اس کتاب کی صفت ہے۔ نہ کہ اس کی ہر ہر آیت یا ہر ہر سورت کی۔ اور قرآن عظیم دفعۃً نہیں اترا۔ بلکہ تقریباً تیئس برس میں تھوڑا تھوڑا۔ جب کوئی آیت یا سورت اترتی، نبی ﷺ کے علوم پر اور علوم بڑھاتی یہاں تک کہ جب قرآن عظیم کا نزول پورا ہوا، ہر چیز کا مفصل روشن بیان

فی القران فقبل ان یتم النزول ان قیل له ﷺ فی بعض الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لم نقصصهم علیك وفی المنافقین لا تعلمهم او توقف ﷺ فی قصة او قضیة۔ حتی نزل الوحی واتی بالجلیلة۔ فلا هولتلك الایات مناف۔ ولا لاحاطة علمه ﷺ ناف۔ کما لیس بخاف علی ذوی الانصاف۔ فکلما تعلقت به الوهابیة لنفی علمه ﷺ من قصص و روایات ان لم یعلم تاریخه فالتمسك به جهل سفیه و سفاهة جهول۔ لجواز ان یکون ذلك قبل اکمال النزول۔ وان علم و تقدم فالاستناد۔ خرط القتاد۔ بل محض جنون۔ والجنون فنون وان تاخذ فان لم یکن نصا فی ادعاه۔ فالمستدل سفیه والاستدال واه۔ وانا احمد ربی ولوجه الکریم الاکبر۔ ان کلما تشبثت به الوهابیة فی تقصیر علم المصطفیٰ ﷺ فلا یخرج من احدی هذه الصور۔ و لئن سلمنا علی سبیل فرض الغلط ان وجدت هنا روایة معلومة التاریخ متاخرة القصة عن

پورا ہو گیا اور اللہ عزوجل نے اپنے حبیب ﷺ پر اپنی نعمت تمام کر دی، جیسا کہ قرآن عظیم میں اس کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو تمام نزول قرآن سے پہلے اگر نبی ﷺ سے بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''ہم نے ان کا ذکر تم سے نہ کیا''۔ اور منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ ''تم انہیں نہیں جانتے'' یا نبی ﷺ نے کسی قصہ یا معاملہ میں توقف فرمایا۔ یہاں تک کہ وحی اتری اور علم لائی۔ تو یہ نہ تو ان آیات کے منافی ہے اور نہ نبی ﷺ کے احاطہ علم کا نافی، جیسا کہ اہل انصاف پر مخفی نہیں۔ تو نبی ﷺ کے انکار علم میں جتنے قصوں اور روایتوں سے وہابی سند لاتے ہیں۔ تو اگر اس قصہ کی تاریخ نامعلوم ہو تو اس سے سند لانا احمق کی جہالت اور جاہل کی حماقت ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ تمام قصہ تمامی نزول قرآن سے پہلے کا ہو اور اگر معلوم ہو کہ اس کی تاریخ تمامی نزول سے پہلے کی ہے تو اس سے سند لانا خار دار درخت کو ہاتھ سے سوتنا ہے، بلکہ نرا جنون ہے۔ جنون رنگ برنگ کا ہوتا ہے اور اگر تاریخ بعد کی ہو اور وہ مدعاء مدلول میں نص

تکامل التنزیل قطعیة الاوقاة فی نفی
حصول العلم ببعض الاشیاء اصلا
فیکفینا جواب جامع۔ واف نافع ناف
قامع الجمیع القعاقع۔ شاف کاف فی
کل الوقائع۔ ان اخبار الاحاد اذا
عارضت الایات والسند باب
التأویلات لم تغن ولم تسمع۔ و لم
تسمع فلم تنفع ولن ذکرت ھاھنا
نصوص الفحول فی کتب الاصول
فاحسن و امکن منه ان اتی بشھادة
امام وھابیه العصر فی الھند رشید
احمد الکنکوھی اذ قال فی کتابه
المقبول لدیه المنسوب الی تلمیذہ
خلیل احمد الانبیتھی فی نفس ھذہ
المسئلة اعنی مسئلة اعلامه تعالی
ﷺ بالمغیبات جاعلالھا من باب
العقائد لا باب الفضائل ماتر جمته
مسائل العقائد لیست قیاسات تثبت
بالقیاس بل قطعیات تثبت بالنصوص
القاطعة حتی ان حدیث الاحاد ایضاً لا
تفیدھنا فلا یلتفت الی اثباتھا مالم
تثبت بالقواطع و قال فی ص ۃ العبرة فی
الاعتقادیات بالقطعیات لا بالصحاح

نہیں تو مستدل احمق ہے اور دلیل واہی
ہے۔اور میں اپنے رب کی حمد کرتا ہوں اور
اس کی وجہ کریم کے لئے سب سے بڑی حمد
ہے۔ نبی ﷺ کے علم گھٹانے میں۔
وہابیہ جتنی چیزوں سے سند لائے ہیں وہ ان
صورتوں سے باہر نہیں اور بہ فرض غلط اگر ہم
مان لیں کہ یہاں کوئی ایسی روایت پائی
جائے، جس کی تاریخ معلوم ہو کہ تمامی
نزول قرآن کے بعد ہے، وہ یقینی طور پر
بتاتی ہو کہ اس وقت تک بعض ایسی اشیاء کا
اصلاً علم حاصل نہ ہی ہوا تو ہمیں کفایت کرتا
ہے۔ ایک ہی جواب جامع کامل نافع جو
سب چہ می گوئیوں کو دور کرتا اور جڑ سے
اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ جو تمام وقائع میں
شافی وکافی ہے کہ اخبار احاد جب کہ آیت
کے معارض ہوں اور تاویل کی کوئی راہ نہ
رہے تو وہ کچھ کام نہ دیں گی اور نہ سنی جائیں
گی اور کچھ نفع نہ دیں گی اور اگر میں یہاں
کتب اصول میں ائمہ کے نصوص کا ذکر
کروں تو اس سے بہتر اور زیادہ جمتی ہوئی
بات یہ ہے کہ اس کی گواہی پیش کروں، جو
آج ہندوستان میں وہابیہ کا پیشوا ہے یعنی
رشید احمد گنگوہی کو اس نے اپنی کتاب میں

الظنیات و فی ص ۱۲ احادیث الاحاد الصحاح ایضا لاتعتبر کما برهن علیه فی فن الاصول فانجلی الحال و زال عن الحق کل اشکال الا فلیجتمع وهابیة کنکوهی و دیوبند و دهلی و کل جلف جاف بدوی و جبلی ولیاتوا بنص قطعی الدلالة یقینی الافادة مجذوم الثبوت کاٰیة القراٰن او حدیث متواتر یحکم بقطع قاطع و جزم ظاهر ان بعض الوقائع قد خفیت علی النبی ﷺ بعد تکمیل التنزیل بحیث انه لا یعلمها اصلا لا انه علم و کتم لان عنده من المعلوم ما یکتم او علم و ذهل حینا لاشتغال باله بامر اخر اعظم و اهم فان الذهول لا ینفی العلم بل یقتضی سبق العلم کما لا یخفی علی ذی فهم الا فاتوا ببرهان کذا ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاعلموا ان الله لا یهدی کید الخائنین۔

(مصنف: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ الدولۃ المکیہ ص ۱۰۴ تا ۱۱۰)

جو اسے مقبول اور اس کے شاگرد خلیل احمد انبھیٹی کی طرف منسوب ہے خود اس مسئلہ میں کہ نبی ﷺ کو اللہ عزوجل نے غیبوں کا علم عطا کیا، اسے باب عقائد ٹھہرایا نہ کہ باب فضائل جس کی عبارت یہ ہے: عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہوگا جب کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور ظنیات صحاح کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ احاد صحاح بھی معتبر نہیں۔ چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے۔ تو حال کھل گیا اور حق سے ہر اشکال زائل ہو گیا تو گنگوہی نیز سب وہابیہ، دیوبندیہ، دہلی اور ہر بے ادب، نا مہذب، گنوار اور پہاڑی سب اکٹھے ہو جاؤ اور ایک نص ایسی لے آؤ جس کی دلالت قطعی ہو اور افادہ یقینی اور ثبوت جزمی، جیسے کہ قرآن عظیم کی آیت یا متواتر حدیث جو یقین قطعی اور جزم روشن سے حکم کرتا ہو کہ تمام نزول کے بعد کوئی واقعہ نبی ﷺ پر مخفی رہا۔ بایں معنی کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاً اسے جانا ہی نہیں، نہ یہ کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا اور بتایا نہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے علم بھی ہیں جن کے
اخفاء کا حکم فرمایا گیا۔ یا علم تھا کسی وقت
ذہن اقدس سے اتر گیا۔ اس لئے کہ قلب
مبارک کسی اہم و اعظم میں مشغول تھا۔
ذہن سے اترنا علم کی نفی نہیں کرتا، بلکہ پہلے
علم ہونے کو چاہتا ہے جیسا کہ کسی صاحب
عقل پر مخفی نہیں۔ ہاں ہاں! تو ایسی کوئی
برہان لاؤ اگر تم سچے ہو اور اگر نہ لاسکو۔ ہم
کہے دیتے ہیں کہ نہ لاسکو گے تو جان لو اللہ
راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو۔

اعلیٰ حضرت کی اس طویل عبارت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً تکمیل قرآن کے ساتھ مکمل ہوا نہ یہ کہ ابتداءً اور دفعۃً پہلی وحی کے نازل ہونے کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم دے دیا۔ اس لئے یہ کہنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب بھی ''غیب'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے کلی غیب مراد ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت کا نبوت کی تعریف ''اطلاع علی الغیب'' (غیب پر مطلع ہونا) نقل کرنا بالکل صحیح ہے۔ اور ''یَاَیُّھَا النَّبِیُّ'' کا ترجمہ ''اے غیب بتانے والے'' بھی بالکل صحیح ہے۔

قارئین کرام! اعلیٰ حضرت کی طویل عبارت سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً تکمیل قرآن کے ساتھ مکمل ہوا ہے۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے اور ''توضیح البیان'' کا اقتباس پیش خدمت ہے تاکہ حق ہر پہلو سے آپ کے سامنے آشکارا ہو جائے ملاحظہ فرمائیے!

عام طور پر مبتدعین دیوبند نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کلی کو اپنی پھبتیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ کو مبرہن کر دیا جائے۔ چنانچہ دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر چیز قرآن کریم میں مذکور ہے اور جو مذکور فی القرآن ہے اس کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کا نبی علیہ السلام کو علم ہے قیاس کا صغریٰ یہ ہے کہ ہر شیء قرآن میں مذکور ہے اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹) اور ہم نے آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی ہے وہ ہر شیء کا بیان کرنے والی ہے۔

اس آیت کا مرکز استدلال لفظ ''کل'' ہے اور تمام اصولین کا اتفاق ہے کہ لفظ ''کل'' الفاظ عموم میں سے ہے۔ چنانچہ ''تلویح'' ص ۱۷۳ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

اذا اضیف کل إلی النکرۃ فھو لعموم افرادھا۔ جب لفظ ''کل'' کی نکرہ کی طرف اضافت ہوتو وہ اپنے مضاف الیہ کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

اس آیت مذکورہ میں ''کل'' کی اضافت ''شیء'' کی طرف ہے جو نکرہ ہے۔ پس یہاں لفظ ''کل'' شئ کے ہر فرد کو شامل ہے اور عام اپنے تمام افراد کو قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے پس کوئی ظنی امر اس کا مخصص نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے ''تلویح'' ص ۱۱۱ پر علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

و عند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع ما یتنا وله من الافراد قطعاً و یقیناً عند مشائخ العراق و عامة المتاخرین۔ جمہور کے نزدیک عام کے تمام افراد کے لئے اس کا حکم قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اور مشائخ عراق اور یہی عام متاخرین کا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احناف خبر واحد کو بھی عام کے لئے مخصص نہیں مانتے اور انہوں نے ''فاقرؤا ما تیسر من القران'' میں ''ما'' کے عموم کے لئے ''لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب'' کو مخصص نہیں تسلیم کیا بلکہ ''نور الانوار'' ص ۷ پر واشگاف الفاظ میں تشریح

موجود ہے:

لا یجوز تخصیص قوله ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه و من دخله کان امنا بالقیاس و خبر الواحد۔

اللہ تعالیٰ کے قول ''و لا تا کلوا مما لم یذکر اسم الله علیه'' اور ''من دخله کان امنا'' کے عموم کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے جائز نہیں ہے۔

برہان قاطع سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ''نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیء'' میں ''کل'' کا عموم قطعی ہے، جس کے لئے کوئی خبر واحد یا قیاس بھی مخصص نہیں بن سکتا۔ پس قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم میں ہر چیز شامل ہے۔ دیکھئے ''روح المعانی پ ۶ ص ۱۷۰'' پر علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

و التحقیق عندی ان جمیع ما عند النبی ﷺ من الاسرار الٰهیة و غیرها من الاحکام الشرعیة قد اشتمل علیه القرآن المنزل فقد قال سبحان و نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیء و قال تعالیٰ ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ و قال ﷺ فیما اخرجه الترمذی وغیرہ ستکون فتن قیل و ما المخرج منها قال کتاب الله تعالیٰ فیه نبأ ما قبلکم و خبر ما بعد کم و حکم ما فیکم و اخرج ابن جریر عن ابن مسعود قال انزل فی هذا القرآن کل علم و بین لنا فیه کل شیٔ و لکن علمنا یقصر عما بین لنا فی هذه القرآن۔

اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اسرار الٰہیہ، احکام شریعہ یا جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے، ان تمام پر قرآن مشتمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ہر چیز کا بیان کرتی ہے''۔ نیز فرمایا: ''ہم نے اس کتاب میں کسی شئی کے بیان میں کمی نہیں کی ہے'' اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ان کا مخرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے لئے احکام ہیں۔ اور ابن جریر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اس قرآن میں

ہر شئی کا علم ہے اور ہر چیز کا بیان ہے لیکن ہماری عقول قرآن کریم سے ان کو اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔

اور علامہ سیوطی ''اتقان ج ۲ ص ۱۲۶'' پر تحریر فرماتے ہیں:

و قال الشافعی مرة بمکة سلونی عما شئتم اخبرکم عنه فی کتاب الله الیٰ ان قال و قال ابن ابی الفضل المرسی فی تفسیرہ جمع القران علوم الاولین و الاخرین بحیث لم یحط بھا علما حقیقة الا المتکلم بھا ثم رسول الله ﷺ خلا ما استاثربه سبحانه تعالیٰ ثم ورث عنه معظم ذلك و سادات الصحابة و اعلام مھم مثل الخلفاء الاربعة و ابن مسعود رضی الله عنه حتی قال لو ضاع عقال بعیر لوجدته فی کتاب الله۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھ سے جو چیز پوچھو تو میں تمہیں وہ قرآن میں دکھادوں گا۔ حتیٰ کہ آپ نے کہا کہ ابن ابی فضل مرسی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ قرآن تمام علوم اولین و آخرین کو جامع ہے جن کے علم کا حقیقت میں سوائے اللہ کے کسی نے احاطہ نہیں کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوا ان امور کے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ پھر کبار صحابہ اس علم سے وافر حصہ کے وارث ہوئے۔ مثل خلفائے راشدین کے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے بھی قرآن میں پالوں گا۔

علامہ آلوسی حنفی اور امام سیوطی شافعی کی ان تقریروں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان اور علم موجود ہے اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مفسرین نے ''تبیانا لکل شیء'' کی صرف احکام شریعہ کے ساتھ تفسیر کی ہے، کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ''کل'' کا عموم قطعی ہے اور اس کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی۔ تو بعض مفسرین کے اقوال اس کے مخصص کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پس بحمد اللہ یہ امر صاف اور

مبرہن ہوگیا کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان ہے اور قیاس کا کبریٰ یہ ہے کہ اجماعاً ثابت ہے کہ قرآن کریم میں جس امر کا بھی بیان ہے نبی علیہ السلام کو اس کا علم حاصل ہے۔ ثابت ہوگیا کہ نبی علیہ السلام کو کل اشیاء کا علم حاصل ہے اور اسی علم کو علم کلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(مصنف غلام رسول سعیدی غفرلہ، توضیح البیان طبع اول ص ۳۵۳ تا ۳۵۶)

بحمد اللہ اعلیٰ حضرت کی تصریحات اور ''توضیح البیان'' کی عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً تکمیل قرآن کے ساتھ مکمل ہوا ہے اور مبتدعین دیوبند جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی نفی کرنے کے لئے جو بعض اخبار احاد پیش کرتے ہیں وہ ہم کو قطعاً مضر نہیں کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ جس روایت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کر رہے ہیں وہ تکمیل نزول قرآن کے بعد کی ہے۔ ان کا مدعا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی نفی) ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ ''توضیح البیان'' میں صراحت ہے:

ثانیاً: یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کل نزول قرآن کے ضمن میں ''الی حین الوصال'' مکمل ہوا۔ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے پیش کیے ہیں وہ سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے بے قرار ہیں تو ثابت کریں کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہوا۔ وہ بدونہ خرط القتاد۔ (مصنف غلام رسول سعیدی غفرلہ، توضیح البیان طبع اول، ص ۹۷)

یہ وہی بات ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس سے زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ۔ ''انباء المصطفیٰ'' اور ''الدولۃ المکیۃ'' میں بیان فرمائی ہے جن کو ہم صفحات سابقہ میں پیش کر چکے ہیں۔

بعثت سے پہلے غیب کا علم

مخالف مذکور لکھتے ہیں:

نبی اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی اطلاع پا کر غیب کی بعض خبریں بتاتے ہیں۔ لیکن جب

انہوں نے غیب کی ایک خبر بھی نہیں بتائی تھی، صرف وحی ہی سے نوازے گئے تھے، وہ نبی اس وقت بھی تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی کے مفہوم میں غیب شامل نہیں ہاں بعد کو غیب سے نوازے گئے۔ (مصنف: محمد سرفراز خان صفدر، اتمام البرہان ص ۲۱)

اس بات میں جملہ اہل اسلام متفق ہیں کہ بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کا علم تھا اور ذات حق بجائے خود غیب الغیب ہے۔ نیز اس پر بھی اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ بعثت سے پہلے تمام انبیاء مومن ہوتے ہیں اور ایمان کا مصداق اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانا جائے اور کم ازکم حیات بعد الموت کا اقرار ہو اور یہ دونوں چیزیں امور غیب سے ہیں۔ اس پر مخالف مذکور کا یہ معارضہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ذات حق کا علم تو مشرکین مکہ کو بھی تھا جو سر تا پیر شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ (مصنف: سرفراز خان صفدر، اتمام البرہان ص ۳۱) کیونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک نہیں مانتے تھے اور نہ حیات بعد الموت کو مانتے تھے اور جب انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے مومن ہیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے بھی کم ازکم اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک اور حیات بعد الموت کو مانتے تھے اور یہ دونوں امور غیب سے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی وحی کے نازل ہونے سے پہلے بھی غیب کا علم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائشی نبی تھے اور پیدائشی مومن تھے اور مومن وہ ہوتا ہے جو غیب پر ایمان لائے۔ "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" لہٰذا جب بھی حضور پر نبی کا اطلاق ہوگا نبوت کے مفہوم میں "اطلاع علی الغیب" (غیب جاننا) شامل ہوگا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ آپ (از خود) نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔ (الشوریٰ: ۵۲)

مخالفین کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ ایسا ہدایت نامہ (قرآن کریم) کہ آپ کے ان بے مثال علوم میں اسی کی بدولت ترقی ہوئی۔ چنانچہ اس سے قبل آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ ہی خبر تھی کہ ایمان

کا کمال اقصیٰ جواب حاصل ہے کیا چیز ہے (اگر چہ نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت قبل نبوت بھی حاصل ہوتا ہے)۔ (مصنف اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بیان القرآن ج ۲ ص ۹۴۴)

اور شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں۔ گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے''۔

(مصنف شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیہ بر قرآن کریم، ص ۸۳۷)

یہ تو اکابر علماء دیوبند کا نظریہ تھا جو ان کی تفاسیر سے ظاہر ہوا اور اس سے یہ امر بہر حال ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے بھی مومن ہوتے ہیں اور ایمان غیب کو جاننے کے بغیر متصور نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نبوت کے مفہوم میں بہر صورت غیب کو جاننا مشکل ہے۔ آیئے! اب اس موضوع پر ہم آپ کے سامنے جمہور اہل اسلام اور اکابر علماء دین کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

والصواب انهم معصومون قبل النبوة من الجهل بالله و صفاته والتشكك فى شىء من ذالك و قد تعاضت الاخبار والاثار عن الانبياء بتنزيههم عن هذه النقيصة منذ ولدوا و نشأتهم على التوحيد و الايمان بل على اشراق انوار المعارف و نفحات الطاف السعادة و عن طالع لسيدهم عند صباهم الى مبعثهم حقق ذلك كما عرف عن حال موسى و عيسى و يحيى و سليمان و غيرهم عليهم السلام۔ (ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی

صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے جہل اور شک سے معصوم ہوتے ہیں اور احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام یوم ولادت سے ہی اس نقص سے پاک ہوتے ہیں، وہ توحید اور ایمان پر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے قلوب پر انوار معارف اور الطاف سعادت کا بچپن سے لے کر بعثت تک فیضان ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ، عیسیٰ، سلیمان اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے احوال سے یہ امر محقق اور

متوفی ۶۷۱ھ، الجامع الاحکام القرآن ج۱۶ ص۵۵) ثابت ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ان اهل العلم اتفقوا علی ان الانبياء عليهم السلام كانوا ملهمين من الله تعالى بالصانع المتوحد بصفات الكمال المنزه عن النقص والزوال۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر (ہمیشہ) اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں الہام ہوتا رہتا ہے۔

(قاضی محمد ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری پ۲۵ ص۳۳۴)

عمدۃ المتاخرین حضرت علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں:

ثم ان الظاهر ان من قال انه ﷺ كان متعبدا بشرع من قبله ليس مراده انه عليه الصلوة والسلام كان متعبدا بجميع شرع من قبله بل بما ترجح عنده ﷺ ثبوته والذى ينبغى ان يرجح كون ذلك من شرع ابراهيم عليه السلام لانه من ذريته عليهما الصلوة والسلام و قد كلفت العرب بدينه و قال بعضهم ان عبادته ﷺ التفكر والاعتبار و لعله ايضا عما ترجح عنده عليه الصلوة والسلام كونه من شريعته عليه السلام و ربما يقال بما علمه ﷺ لا على ذلك الوجه عن شرع عن قبله لانه ﷺ

پھر تحقیق یہ ہے کہ جن علماء نے یہ کہا کہ حضور ﷺ (بعثت سے پہلے) شرائع سابقہ کے مطابق عبادت کرتے تھے ان کی مراد یہ نہیں کہ حضور تمام سابق شریعتوں کے مطابق عمل کرتے تھے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں میں سے جو شریعت حضور کے نزدیک راجح ہوئی آپ اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ آپ شریعت ابراہیم علیہ السلام کے مطابق عمل کرتے تھے، کیونکہ وہ آپ کے جد اکرم ہیں اور اصل عرب ان کے دین کے مکلف ہیں اور بعض محققین نے کہا کہ (بعثت سے پہلے) حضور ﷺ کی عبادت مراقبہ (غور وفکر) تھی اور اس کو بھی

لم یزل یوحی الیه و انه علیه الصلوۃ والسلام متعبد بما یوحی الیه الا ان الوحی السابق علی البعثة کان القاء و نفثا فی الروع و ما یعمل بما کان عن شرائع ابیه ابراهیم علیهما الصلوۃ والسلام الابواسطة ذلک الالقاء و اذا کان بعض اخوانه عن الانبیاء علیهم السلام قد اوتی الحکم صبیا ابن سنتین او ثلاث فهو علیه الصلوۃ والسلام اولی بان یوحی الیه ذلک النوع عن الایحاء صبیا ایضا و من علم منامه ﷺ و صدق بانه الحبیب الذی کان نبیا و ادم بین الماء و الطین لم یستعبد ذلک فتامل۔

(ابوالفضل السید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۵ ص ۵۹،۶۰)

اس پر محمول کرنا چاہئے کہ یہ آپ کے نزدیک راجح شریعت تھی۔ اور بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ پر بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد مسلسل وحی ہوتی رہی اور حضور ﷺ میں سے پہلے اس وحی کے مطابق عبادت کرتے تھے جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔ البتہ اصطلاحات بعث بعثت سے پہلی وحی کو الہام اور القاء فی القلب سے اور بعثت کے بعد وحی کو وحی سے تعبیر کیا جائے گا اور جن لوگوں نے بعثت سے پہلے آپ کی عبادت کو شریعت ابراہیم کے مطابق کہہ دیا ہے وہ بھی اس الہام پر محمول ہے اور جب کہ انبیاء علیہم السلام میں سے آپ کے بعض اخوان (بھائیوں) پر دو یا تین سال کی عمر میں وحی نازل کی گئی تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس بات کے زیادہ لائق بھی ہیں کہ آپ ﷺ پر (بعثت سے پہلے) اس قسم کی وحی نازل کی جائے اور جو شخص آپ ﷺ کے مقام کی عظمت کا قائل ہو اور اس بات کی تصدیق کرتا ہو کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے حبیب ہیں کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب خمیر آدم ہنوز مٹی اور گارے کے درمیان تھا۔ اس

کے لئے قطعاً بعید نہیں ہے۔

ہم نے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں امام قرطبی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ آلوسی نے صاف صاف تصریح کی ہے کہ بعثت سے پہلے بھی حضور ﷺ پر وحی کی جاتی تھی اور یہ بھی تصریح کردی ہے کہ اس وحی کے ذریعہ آپ کو شرائع سابقہ یا شریعت راجحہ پر مطلع کیا جاتا تھا اور اسی وحی کے ذریعہ آپ بعثت سے پہلے عبادت کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے اس وحی کو اصطلاحاً ''القاء یا نفث فی الروع'' سے تعبیر کیا ہے۔ علامہ مظہری نے ''الہام'' سے اور امام قرطبی نے ''اشراق'' سے اور ان سب کا مآل اطلاع علی الغیب ہی ہے۔

ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

والالهام لغة الابلاغ و هو علم يقذفه الله من الغيب في قلوب عبادة۔
(مصنف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۱ ص ۲۶۴)

الہام کا لغوی معنی پہنچانا ہے اور اصطلاح میں یہ وہ علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں غیب سے القاء کرتا ہے۔

انصاف پسند حضرات کے لئے ان سطور میں اس بات کی وافر وضاحت ہے کہ نبی علیہ السلام کا ہر وقت غیب سے رابطہ رہتا ہے اور نبوت سے پہلے کا زمانہ ہو یا بعد کا نبی کو الہام اور وحی کے ذریعہ غیب سے مسلسل نوازا جاتا ہے۔ اس لئے نبوت کے مفہوم میں اطلاع علی الغیب (غیب کو جاننا) قطعی طور پر داخل ہے۔ پھر کتنی حیرت کی بات ہے کہ نبوت کی تعریف اعلیٰ حضرت نے علامہ قسطلانی کی ''مواہب اللدنیہ'' سے نقل کی ہے اور ہم نے یہی تعریف قاضی عیاض کی ''کتاب الشفاء'' سے نقل کی ہے۔ لہٰذا یہ کوئی خانہ ساز اور من گھڑت تعریف نہیں ہے لیکن مخالف مذکور کو نہ علامہ قسطلانی سے شکوہ ہے، نہ قاضی عیاض سے شکایت ہے۔ سارا غصہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور اس گناہ کار مصنف ''توضیح البیان'' پر اتارا ہے۔ مخالف مذکور ذرا انصاف سے بتلائیں کہ نبوت کی اس تعریف پر جو آپ نے ہمیں اور اعلیٰ حضرت کو مغلظات سنائی ہیں وہ سب ہمارے ساتھ مختص ہیں یا ان میں سے کچھ حصہ ان بزرگوں کو بھی پہنچے گا؟ فالی اللہ المشتکی

عقیدہ علم غیب

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

(۱) بلاشبہ غیر خدا کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

(۲) بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہوسکتا، مساعی تو درکنار تمام اولین و آخرین وانبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں اور متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش وفرش و شرق وغرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہوجائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو حدیں ہیں۔ شرق وغرب دو حدیں ہیں، روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدود کے اندر ہے سب متناہی ہے، بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا۔ تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے۔ نہ کہ (معاذ اللہ) توہم مساوات۔

(۳) یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

(۴) اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء تمام جہاں سے اتم واعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، خالص الاعتقاد ص ۴۶)

اخبارِ غیب اور علم غیب

علم غیب اور چیز ہے جس کی نفی ہے اور امور غیبیہ واخبار الغیب اور انباء الغیب اور چیز

ہے جس کا دلائل قطعیہ سے ثبوت ہے جب نفی اور ثبوت کا محل ایک نہیں تو ان کو آپس میں ٹکرانے کا کیا مطلب؟ (محمد سرفراز خاں صفدر، اتمام البرہان، ص ۲۴)

ان صاحب نے ''ازالۃ الریب'' میں بھی یہی کچھ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبروں سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ لیکن یہ سب اخبار غیب، انباء غیب ہے علم غیب نہیں ہے۔ لیکن متعدد صفحات کی بھرمار کے باوجود ہی بتانے سے قاصر رہے کہ اخبار غیب اور انباء غیب (غیب کی خبریں دینا) آخر علم غیب کو کیوں مستلزم نہیں ہے یا ان میں کیا منافات ہے؟ اس کی وجہ علم کلام اور عقائد سے بے خبری یا تغافل اور تجاہل عارفانہ ہے ورنہ کتب عقائد میں صاف مذکور ہے کہ خبر صادق علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور جس شخص کو خبر صادق کے ذریعہ کسی چیز کی خبر حاصل ہوگئی اس کو اس چیز کا علم حاصل ہوگیا۔ اسی طرح جس شخص کو غیب کی خبر حاصل ہوگئی اس کو غیب کا علم حاصل ہوگیا یہ بالکل صاف اور کھلی ہوئی بات ہے۔ تاہم ہم اس بات کو مدلل کرنے کے لئے حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔

علامہ نسفی ''عقائد نسفی'' میں لکھتے ہیں:

اسباب العلم للخلق ثلثۃ الحواس السلیمۃ والخبر الصادق والعقل۔	مخلوق کے لئے علم کے تین سبب ہیں: حواس سلیمہ، خبر صادق اور عقل۔

(نجم الملت عمر بن محمد نسفی متوفی ۵۳۷ھ، بہ حوالہ شرح عقائد ص ۱۰)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ خبر صادق سے جو چیز حاصل ہوگی وہ اس چیز کا علم ہوگی اس لئے جن خبروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب دیا آپ کو ان چیزوں کا علم غیب حاصل ہوگیا۔ اس لئے آپ کی طرف علم غیب کی نسبت صحیح ہوگئی۔ اور جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر سے علم غیب کی نفی کی اس کو مفسرین کرام اور اکابر علماء اسلام نے استقلال بالذات اور علی وجہ الاحاطہ پر محمول کیا ہے جس کا بطریق مفہوم مخالف (کہ یہ اس باب میں معتبر ہے) صریح مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب بالعرض (یعنی عطائی) غیر مستقل اور غیر محیط ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر علم

غیب کا اطلاق معقول اور منقول دونوں طریقوں سے ثابت ہے۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے، رازی نہ صاحب کشاف

البتہ حضور ﷺ پر عالم الغیب کا اطلاق ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ عرف اور شرح میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ لفظ ''اللہ عزوجل'' میں عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور ''محمد عزوجل'' کہنا جائز نہیں ہے اگرچہ حضور ﷺ عزیز و جلیل ہیں۔ اسی طرح ''اللہ تبارک وتعالیٰ'' کہا جاتا ہے ''محمد تبارک وتعالیٰ'' نہیں کہا جاتا، حالانکہ حضور ﷺ میں برکت اور علو موجود ہے۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول کے اسماء میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا کہ ثبوت مبدء سے صدق مشتق ہو جائے کیونکہ عقلاً اگرچہ یہ امر درست ہے لیکن شرعاً جائز نہین ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے ''خلقت القردة والخنازیر'' ثابت ہے، مگر اس کی ذات پر ''خالق القردة والخنازیر'' کا اطلاق نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے زرع ثابت ہے مگر اس کو زراع کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح حضور کے لئے رعی (بکریاں چرانا ثابت ہوا) مگر راعی (چرواہا) کا اطلاق جائز نہیں۔ اسی طرح آپ کے لئے خصف نعل (جوتی گانٹھنا ثابت ہے) لیکن آپ کو خصاف (موچی) کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح آپ کا قصر (کپڑے دھونا) ثابت ہے۔ مگر قصار (دھوبی) کا اطلاق آپ پر جائز نہیں علی ہذا القیاس علم غیب آپ کے لئے ثابت ہے۔ لیکن عالم الغیب کا اطلاق آپ پر جائز نہیں کیونکہ یہ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور دوسرے کے لئے اس کا استعمال موہم شرک ہے۔ بنابریں اعلیٰ حضرت نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔ (اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، الامن والعلیٰ ص ۲۰۳)

حضرت مولانا سردار احمد محدث رحمہ اللہ لکھتے ہیں لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (حضرت مولانا سردار احمد متوفی ۱۳۸۲ھ، مناظرہ بریلی ص ۱۰۶)

مخالف مذکور لکھتے ہیں:

اس مقام پر یہ بتلانا ہے کہ علم غیب، عالم الغیب، عالم ماکان وما یکون اور علیم بذات الصدور کا مفہوم الگ اور جدا ہے اور اخبار غیب اور انباء غیب پر مطلع ہونا جدا مفہوم ہے۔ دوسری بات آنحضرت ﷺ کے لئے منکر ملحد اور زندیق ہے اور پہلی بات کا مثبت مشرک اور کافر ہے۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، ازالۃ الریب، ص ۳۸)

عالم "ماکان وما یکون" کی بحث ان شاء اللہ آگے آجائے گی۔ حضور ﷺ پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا ہم صحیح نہیں سمجھتے، جیسا کہ گزر چکا ہے اور حضور ﷺ پر علیم بذات الصدور کے اطلاق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

ابھی ہم نے قارئین کرام سے گزارش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو غیب کی خبریں دی ہیں اور غیب کی خبریں دینا غیب کے علم کو مستلزم ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ کو غیب کی خبروں کا علم ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے قرآن کریم سے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔

(۱) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران: ۴۴)

یہ قصے ان منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں، جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(۲) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ۔ (ہود: ۴۹)

یہ قصے منجملہ ان اخبار کے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(۳) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ (اطلاع علی الغیب) کے لئے پسند کر لیتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے رسول ہیں۔

(۴) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۶)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ اپنے خاص غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوا ان لوگوں کے جو اس کے پسندیدہ ہیں جو اس کے رسول ہیں۔

یہ وہ آیات کریمہ ہیں جن سے ظاہر ہوگیا کہ رسول ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور آپ پہلے جان چکے ہیں کہ علم کا ذریعہ خبر صادق ہے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کی خبریں دے دیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہوگیا۔ واللہ اعلم

علم غیب کا اطلاق

دیدہ وبینا کیلئے اللہ تعالیٰ کے غیر پر علم غیب کا اطلاق قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔(البقرہ:۳) (متقین) وہ لوگ ہیں جو غیب کو مانتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، جنت و دوزخ، حشر ونشر، جن و ملائکہ، عرش، کرسی، حیات بعد الموت وغیرہ کو مانتے ہیں اور یہ سب امور غیب سے ہیں اور ان سب کو ماننا فرع ہے۔ یہ جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ متقین غیب کو جانتے ہیں یعنی غیب کا علم رکھتے ہیں۔ دوسری طرز پر یوں کہا جاسکتا ہے: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کا معنی ہے "یصدقون بالغیب" کیونکہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق علم کی قسم ہے اس لئے اب "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کا معنی ہوا "یعلمون بالغیب" قرآن کریم کی یہ نص صریح اس بات پر صراحۃً ناطق ہے کہ علم غیب کا اطلاق متقین پر بھی ہے، چہ جائیکہ حضور ﷺ پر نہ ہو؟

(ا) اسی وجہ سے علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

وما کلفنا اللہ الایمان بالغیب الا وقد یفتح لنا باب غیبہ۔	اللہ تعالیٰ نے ہمیں غیب پر ایمان لانے کا اس وقت مکلف کیا ہے جب اس نے ہم پر غیب کے دروازے کھول دیئے۔

(علامہ محمد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، زرقانی علی المواہب ج ۷، ص ۲۰۰)

(۲) علامہ زمخشری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وانما نعلم منہ نحن ما اعلمنا او نصب لنا دلیلا علیہ ولھذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب و ذالک نحو	ہمیں غیب میں سے ان چیزوں کا علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلایا اس پر دلیل قائم کردی۔ اس لئے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں

الصانع و صفاته و النبوات و ما یتعلق بها والبعث و النشور والحساب والوعد والوعید و غیرذالك۔ (جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ، کشاف ج ۱ ص ۱۲۸)

کہ فلاں شخص کو غیب کا علم ہے اور جن غیبوں کا علم ہے وہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات، نبوت اور اس کے متعلقات موت بعد الحیات، حساب و کتاب اور وعد و وعید وغیرہا۔

(۳) علامہ میر سید شریف جرجانی حاشیہ "کشاف" پر لکھتے ہیں:

انما لم یجز الاطلاق فی غیرہ تعالی لانه یتبادر منه تعلق علمه ابتداء فیکون تناقضا و اما اذا قید و قیل اعلمه الله تعالی الغیب او اطلعه علیه فلا محذور فیه۔ (میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۴۰، حاشیہ کشاف بر کشاف ج ۱ ص ۱۲۸)

کسی شخص کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ یہ شخص از خود علم غیب رکھتا ہے۔ لیکن جب مقید کر کے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب پر مطلع کیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) اسی بحث میں امام رازی فرماتے ہیں:

قد بینا ان الغیب ینقسم الی ما علیه و اما الذی لا دلیل علیه فهو سبحانه تعالی العالم به لا غیرہ و اما الذی علیه دلیل فلا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب ما لنا علیه دلیل۔ (امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۹)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہے (عطائی) ایک وہ جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں (ذاتی)۔ پس جو ذاتی غیب ہے اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جو عطائی غیب ہے اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس غیب کا ہمیں علم ہے۔

(۵) امام ابن جریر طبری حضرت خضر کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:

عن ابن عباس قیل من انه کان رجلا

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ خضر

یعمل علی الغیب قد علم ذلک۔ (ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان پ۱۶ ص ۱۸۳)

ایک شخص تھے جو غیب کے مطابق عمل کرتے تھے اوران کو اس غیب کا علم تھا۔

(۶) علامہ بیضاوی شافعی ''وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا''۔ (الکہف:۶۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

مما یختص بنا ولا یعلم الا بتوفیقنا و ھو علم الغیوب۔ (قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۷۵ھ، تفسیر بیضاوی علی ہامش عنایت القاضی للخفاجی ص ۱۱۹)

(خضر علیہ السلام) کو ہم نے اپنے پاس سے علم دیا جس کو ہمارے دیئے بغیر کوئی نہیں جان سکتا اور وہ غیوب کا علم ہے۔

(۷) اوراسی آیت کی تفسیر میں امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں:

علمناہ من لدنا علما ای علم الغیب۔ (امام ابوعبداللہ بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۱ھ، الجامع لاحکام القرآن جز۱۶ ص ۱۶)

(خضر علیہ السلام) کو ہم نے اپنے پاس سے علم دیا یعنی علم غیب۔

(۸) اورعلامہ آلوسی حنفی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

علمناہ من لدنا علما، ای علما لا یکتنہ کنتہ ولا یقادر قدرہ وھو علم الغیوب۔ (علامہ سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ۱۶ ص ۳۳۰)

(خضر علیہ السلام) کو ہم نے پاس سے علم دیا جس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا نہ کوئی اس کے مرتبہ کا اندازہ کرسکتا ہے اور وہ علم غیب ہے۔

(۹) اورعلامہ ابوسعود حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و علمناہ من لدنا علما ای خاصا لا یکنہ کنہ ولا یقادر قدرہ و ھو علم الغیوب۔ (قاضی ابوسعود محمد بن محمد الحنفی متوفی

(خضر علیہ السلام) کو ہم نے اپنے پاس سے خاص علم دیا جس کی حقیقت اور مرتبہ کو کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیوب ہے۔

۹۵۱ھ، تفسیر ابو سعود علی ہامش الکبیر ج۶ ص ۵۲۶)

(۱۰) اور علامہ شوکانی ''وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هو لما علمناه سبحانه من علم الغیب الذی استاثر به۔ — ہم نے (حضرت خضر علیہ السلام) کو اپنے پاس سے وہ علم دیا جو ہمارا خاص علم غیب ہے۔

(محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، تفسیر فتح القدیر ج ۳، ص ۲۹۹)

(۱۱) اور علامہ اسماعیل حقی حنفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علمناه من لدنا علما، هو علم الغیب۔ — ہم نے (خضر علیہ السلام) کو اپنے پاس سے علم دیا جو کہ علم غیب ہے۔

(شیخ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان ج ۲، ص ۲۹۸)

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ (الانعام:۵۰) — آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

(۱۲) اس کی تفسیر میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

مالم یوحی الی ولم ینصب علیه دلیل۔ — (میں غیب کو اس وقت تک نہیں جانتا) جب تک کہ مجھ پر وحی نہ کی جائے یا غیب پر کوئی دلیل قائم نہ کی جائے (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقامت دلیل یا وحی ذریعہ میں غیب کو جانتا ہوں)۔

(قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، تفسیر بیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۴ ص ۶۴)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (آل عمران:۱۷۹) — اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم عام لوگوں کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالیٰ (اطلاع علی الغیب کے لئے) پسند کر لیتا ہے جسے چاہے جو اس کے رسول ہیں۔

(۱۳) علامہ نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری (1) رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و المراد ما كان الله ليطلعكم كلكم عالمين بالغيب من حيث يعلم الرسول حتى تصيروا مستغنى عن الرسول۔

(علامہ نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸، تفسیر غرائب القرآن علی ہامش جامع البیان۔ پ ۴ ص ۱۵)

یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم تمام لوگوں کو علم غیب نہیں دینا چاہتا جس طرح رسول کو علم (غیب) دیا ہے کہ تم رسول سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔

(۱۴) اور اس آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

وما كان الله ليجعلكم كلكم عالمين بالغيب من حيث يعلم الرسول حتى تصيروا مستغنى عن الرسول۔

(فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۶)

اللہ تعالیٰ تم سب لوگوں کو علم غیب نہیں دینا چاہتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیا ہے تاکہ تم رسول سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (التکویر: ۲۴)

اور حضور ﷺ غیب کی باتیں بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔

(۱۵) علامہ علاؤالدین خازن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انه ياتينه علم الغيب ولا يبخل به۔

(علامہ علاؤالدین خازن متوفی ۷۴۱ھ، تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۵۷)

آپ کے پاس علم غیب آتا تھا اور آپ بخل نہیں کرتے تھے۔

امام بخاری نے "باب من لم یر الرؤیا لاول عابر اذا لم یصب" کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے آ کر حضور ﷺ کے سامنے ایک خواب بیان کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور

1۔ علامہ نیشاپوری کا سن وفات ۷۲۸ھ "کشف الظنون" میں نقل کیا ہے۔ البتہ مصنف "روضات الجنات" نے لکھا ہے، مؤلف نویں صدی ہجری کے علماء میں سے تھے، ان کا عصر وعہد سید شریف جرجانی، جلال الدین دوانی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور ان کے معاصرین سے ملتا ہے، ان کی تفسیر کے اختتام کی تاریخ ۸۵۰ھ کے بعد کی ہے۔ (روضات الجنات ص ۲۲۵)

ﷺ کی اجازت سے اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فاخبرنی یا رسول اللہ بابی انت اصبت ام اخطأت قال النبی ﷺ اصبت بعضا و اخطات بعضا قال فو اللہ یا رسول اللہ لتحدثنی بالذی اخطأت قال لا تقسم۔ (امام ابوعبداللہ البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۳)

یا رسول اللہ ﷺ ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں مجھے بتائیں کہ میں نے صحیح تعبیر بیان کی ہے یا غلط؟ آپ نے فرمایا بعض صحیح اور بعض غلط، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قسم بخدا! آپ مجھے میری خطا ضرور بتائیں آپ نے فرمایا: قسم نہ کھاؤ۔

(۱۶) رسول اللہ ﷺ نے جو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی تعبیر میں غلطی نہیں بتلائی اس کی وجہ لکھتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

و متی علم غیب فجازان یختص به یخفیه عن غیرہ۔ (حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۹۷)

(خواب کی تعبیر) علم غیب تھا اور حضور ﷺ کے لئے جائز تھا کہ اس علم غیب کو آپ اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(۱۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

و متی استفصل فقال اردت بقولی المومن یعلم الغیب ان بعض الاولیاء قد یعلمه اللہ ببعض المغیبات قبل منه ذالك لانه جائز عقلا و واقع نقلا اذ مؤمن جملة الکرامات الخارجة عن الحصر علی عمر الاعصار فبعضهم یعلمه بخطاب و بعضهم یکشف له عن اللوح

جب کوئی شخص کہے کہ مومن غیب جانتا ہے تو اس سے اس کی تفصیل معلوم کی جائے اور وہ یہ کہے کہ اس قول سے میری مراد یہ ہے کہ بعض اولیاء اللہ غیب کو جانتے ہیں۔ تو اس کا یہ قول مقبول ہوگا کیونکہ یہ بات عقلاً جائز ہے اور نقلاً ثابت اور واقع ہے کیونکہ یہ اولیاء اللہ کی ان کرامات سے ہے جو شمار

المحفوظ حتی یراہ۔ (علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، فتاویٰ حدیثیہ، ص ۲۶۷)

سے باہر ہیں۔ پس بعض اولیاء اللہ کے خطاب سے غیب کا علم رکھتے ہیں، بعض کشف حجاب سے اور بعض کے لئے لوح محفوظ منکشف کر دی جاتی ہے اور وہ لوح محفوظ کو دیکھ لیتے ہیں۔

(۱۸) ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں:

قال الشیخ الکبیر ابو عبداللہ فی معتقد و نعتقد ان العبد ینقل فی الاحوال حتی یصیر الی نعت الروحانیة فیعلم الغیب۔ (علی بن سلطان محمد قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ ج ۱ ص ۶۲)

شیخ کبیر ابو عبداللہ نے "معتقد" میں بیان کیا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال میں ترقی کرتا ہوا نعت روحانیت تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کو غیب کا علم ہو جاتا ہے۔

(۱۹) و یجاب بان قوله ذالك لا ینافی النص ولا یتضمن تکذیبه لصدقه بکونه یعلم الغیب فی قضیة وهذا لیس خاصا بالرسل بل یمکن وجوده لغیرهم من الصدیقین فالخواص یجوز ان یعلم الغیب فی قضیته او قضایا کما وقع لکثیر منهم واشتهر۔

(سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین شامی ج ۲ ص ۳۱۱)

(فلاں شخص کو غیب کا علم ہے) یہ قول نہ قرآن کے منافی ہے نہ اس کی تکذیب کو مستلزم ہے، کیونکہ کسی معاملہ میں اس کا کہنا: "مجھے غیب کا علم ہے" صحیح ہے اور یہ رسولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ صدیقین کے لئے بھی جائز ہے۔ پس خواص مومنین کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی ایک معاملہ یا متعدد معاملات میں کہیں کہ ہمیں غیب کا علم ہے۔

مخالف مذکور نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔ (محصلہ ازالۃ الریب ص ۳۸)

اب گزارش یہ ہے کہ (۱) علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ، (۲) علامہ میر سید شریف

جرجانی متوفی ۸۴۰ھ، (۳) امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، (۴) ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، (۵) قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، (۶) محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، (۷) امام ابوعبداللہ بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۷۱ھ، (۸) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، (۹) شیخ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، (۱۰) قاضی ابو سعود محمد بن محمد العمادی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ، (۱۱) نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ، (۱۲) علامہ علاؤالدین خازن متوفی ۷۴۱ھ، (۱۳) علامہ علی بن سلطان محمد قاری متوفی ۱۰۱۴ھ۔ (۱۴) سید محمد ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ۔ یہ وہ علماء اور مشائخ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے لئے علم غیب ثابت کیا، مخالف مذکور کی تحقیق کے مطابق یہ سب حضرات کافر اور مشرک قرار پائے۔ ؎

بتوں کے گھر میں لٹتے تو کوئی بات نہ تھی
ستم تو یہ ہے لٹے ہیں خدا کی بستی میں

حضور ﷺ کے لئے (عطائی) علم غیب ماننے پر مخالف مذکور کے خون آشام فتوی کفر کے ایک ہم ہی شکار نہیں ہیں۔ ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں (1)۔ یہ ہیں آپ کے حکیم الامت، لکھتے ہیں:

پھر آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب (2) کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ

1۔ مخالف مذکور لکھتے ہیں غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور جس کسی ولی اور بزرگ کسی نبی اور فرشتہ حتیٰ کہ جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو بھی علم غیب نہیں تھا الی ان قال۔ کتاب پڑھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور ذاتی اور عطائی وغیرہ کی دور از کار بحثیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں۔ (سرورق ازالۃ الریب) نیز لکھتے ہیں: حضور ﷺ کو عطائی طور پر بھی علم غیب حاصل نہ تھا۔ (ازالۃ الریب، ص ۵) نیز لکھتے ہیں: حضور ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔ (محصلہ ازالۃ الریب ص ۳۸) سعیدی غفرلہ

2۔ اس سے پہلے ہم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حوالہ سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ پر عالم الغیب کا اطلاق صحیح نہیں ہے اس لئے "عالم الغیب" کا لفظ اور اطلاق خارج از بحث ہے، گفتگو علم غیب میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی (بچہ، وضاحت از مصنف) ومجنون (پاگل وضاحت از مصنف) بلکہ جمیع حیوانات وبہائم (جانور، وضاحت از مصنف) کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا۔ تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہوسکتا ہے اور التزام نہ کیا جاوے تو نبی غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔ اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان ص ۱۰۔ ۱۱، مطبوعہ دیوبند)

علم غیب کا اطلاق (مدرسہ دیوبند سے)

ہواؤں کا رخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

اس سے پہلے ہم نے علماء اسلام کی وہ عبارات پیش کی تھیں جنہوں نے ان عبارات میں حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ اب ہم قارئین کے سامنے خود مخالف مذکور کے گھرانے سے اور ان کے معنوی آباء واجداد کے خانوادہ علمی سے یہ ثابت کریں گے کہ حضور ﷺ کے علم پر اکابر دیوبند نے اپنی عبارات میں علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے! سرفراز صاحب کے حکیم الامت لکھتے ہیں:

(۱۸) پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب (1) کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو (عام لوگ

1۔ حضور ﷺ پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں چنانچہ اعلیٰ حضرت کے حوالہ کے ساتھ اس کی تصریح گزر چکی ہے۔ عالم الغیب کا اطلاق یا عدم اطلاق اصل محل نزاع سے خارج ہے ہماری اصل گفتگو حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کے اطلاق میں ہے جس کو سرفراز صاحب نے حضور کے لئے عطا کے طور پر بھی غیر حاصل اور کفر وشرک قرار دیا ہے۔ منہ سعیدی

وضاحت از مصنف) بلکہ ہر صبی و مجنون (بچہ اور پاگل، وضاحت از مصنف) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم (جانور، وضاحت از مصنف) کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہوسکتا ہے اور التزام نہ کیا جائے تو نبی غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، ص ۱۰، ۱۱، مطبوعہ دیوبند)

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے جو باتیں صاف اور صریح سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) تھانوی صاحب نے اس عبارت میں حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

(۲) تھانوی صاحب نے ہر آدمی کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ ۱۹

(۳) تھانوی صاحب نے بچوں کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ ۲۰

(۴) تھانوی صاحب نے پاگلوں کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ ۲۱

(۵) تھانوی صاحب نے حیوانات اور بہائم (جانوروں) کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ ۲۲

دیکھئے! مخالف مذکور اولیاء اور انبیاء تو کجا حضور محمد ﷺ کے لئے بھی علم غیب ماننے والے کو کافر اور مشرک کہتے ہیں اور ان کے تھانوی صاحب نے عام آدمیوں سے لے کر جانوروں تک کے لئے علم غیب ثابت کر دیا ہے، انہیں کیا کہیے گا؟ ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

آیئے! اب حضور ﷺ پر اطلاق غیب کے بارے میں مخالف کے گھر کی کچھ اور سیر کرائیں۔

(۲۳) مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

''حفظ الایمان'' میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم غیب باعطائے الٰہی حاصل ہے۔ چنانچہ اس عبارت سے کہ نبوت کے لئے جو علوم لازم اور ضروری ہیں وہ آپ کو بتامہا حاصل ہو گئے تھے۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۵)

(۲۴) نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم ﷺ کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۰)

(۲۵) مزید لکھتے ہیں:

جو بعض علوم غیبیہ کو واقع میں سرور عالم ﷺ کے لئے ثابت ہیں۔ اس سے تو یہاں نہ گفتگو ہے نہ اس کی کوئی عاقل مراد لے سکتا ہے۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۰)

(۲۶) مرتضیٰ حسین چاند پوری خلیفہ مجاز اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۲)

نیز خلیفہ اشرف علی صاحب تھانوی جناب چاند پوری لکھتے ہیں:

(۲۷) صاحب ''حفظ الایمان'' کا مدعیٰ تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۳)

(اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز لکھتے ہیں:

(۲۸) تو ثابت ہو گیا کہ مراد مفہوم علم غیب ہے جو ایک کلی ہے اس کا ایک فرد ذات کے لئے بھی ثابت ہو سکتا ہے اور غیر کے لئے بھی (وہ فرد عطائی علم غیب ہے، سعیدی) اور اسی

کا دوسرا فرد وہ ہے جو نہ آپ کے لئے ثابت ہو سکے نہ آپ کے غیر کے لئے۔ وہ مخصوص بذات باری عز اسمہ ہے۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۱۵)

(اور یہ خود علم غیب ذاتی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۲۹) اور سنیے! یہ ہیں حسین احمد مدنی صاحب۔ تھانوی صاحب کی عبارت کی تدبیر کرتے ہیں۔

پس خلاصہ مولانا کی بحث کا یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب کہنا آپ کی ذات مقدسہ کے واسطے جائز نہیں اور اس کے لئے دو دلیلیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ حسب قول سائل حضور علیہ السلام کا علم غیب ذاتی نہیں ہے بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ ہے اور چونکہ عالم الغیب اس کو کہتے ہیں جس کا علم ذاتی اور بغیر تعلیم کے ہو اور اسی وجہ سے خداوند کریم اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو یہ لفظ کہنا ممنوع ہوگا۔ جیسے لفظ رازق و خالق خدا و معبود (1) وغیرہ کہنا ممنوع ہوا اگر چہ یہ الفاظ دوسرے معانی کے اعتبار سے صحیح ہوں (2)۔ مگر ایہام کے سبب ناجائز ہوئے۔ دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب جس کا اطلاق ذات مقدسہ نبویہ پر ہوا ہے کس معنی کے اعتبار سے کرتے ہو یعنی اگر عالم کے یہ معنی ہیں کہ تمام مغیبات کا جاننے والا ہو تو بعض کا علم تو سب کو ہے کیونکہ کروڑ دہ کروڑ بھی بعض ہے اور ایک بھی بعض ہے غرض کے لفظ عالم الغیب کے معنی میں دو شقیں فرمائی ہیں اور ایک شق کو سب میں موجود مانتے ہیں یہ نہیں کہہ رہے کہ جو علم غیب رسول اللہ علیہ السلام کو حاصل تھا وہ سب میں موجود ہے۔ بلکہ اس معنی کو سب میں موجود مانتے ہیں۔

(حسین احمد مدنی، شہاب ثاقب، ص ۱۰۵۔۱۰۶، مطبوعہ دیوبند)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کے اطلاق نہ کرنے میں مدنی صاحب نے جو دلیل ذکر

1۔ خدا اور معبود کی مثال یہاں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بندہ میں خدا اور معبود کے معنی اصلاً نہیں پائے جاتے جیسے خلق (بنانا) رزق (دینا) کے معنی ایک اعتبار سے پائے جاتے ہیں خدا اور معبود کا معنی کسی اعتبار سے نہیں پایا جاتا۔

2۔ خدا اور معبود کا اطلاق بندہ پر کسی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ سعیدی

کی ہے۔(بعض تصحیح کے ساتھ جس کا ہم نے حاشیہ پر ذکر کیا ہے) اس سے ہم کو اتفاق ہے اور نہ ہی یہی امر مختلف فیہ ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں لیکن اس کو کیا کیجئے کہ تھانوی صاحب اور خلیفہ مجاز تھانوی صاحب چاند پوری کی طرح مدنی صاحب نے بھی اپنی اپنی عبارتوں میں حضور ﷺ کے لئے عطائی علم غیب ثابت کیا ہے اور ایسا کرنے والے کو مخالف مذکور نے ''ازالتہ الریب'' میں مشرک اور کافر قرار دیا ہے؟ اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کے حکیم الامت، اور خلیفہ مجاز چاند پوری صاحب اور مدنی صاحب کافر اور مشرک ہوئے یا نہیں؟

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تھانوی صاحب کے ایک اور خلیفہ مجاز عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

(۳۰) بعض بزرگوں کے حالات حضرت (تھانوی صاحب، وضاحت از مصنف) نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا ''در حدیث دیگران'' بعینہ ہم لوگوں کے جذبات وخیالات کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ دل نے کہا: دیکھو روشن ضمیر ہیں نا سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جا رہے ہیں صاحب کشف وکرامات ان سے بڑھ کر کون ہوگا؟ الی ان قال۔ خیر اس وقت تو گہرا اثر غیب دانی (1) اور کشف صدر کا لے کر اٹھا۔

(عبدالماجد دریابادی، حکیم الامت ص ۴۴)

اور منظور نعمانی لکھتے ہیں:

(۳۱) غیب کی باتوں کا علم تو سب کو ہے، کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے۔ (منظور نعمانی سنبھلوی، فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۴۴)

لیجئے! تھانوی صاحب کا ایک اور بیان ملاحظہ فرمایئے۔ روایت چاند پوری صاحب کی ہے بیان ان کا ہے اور مخاطب اعلیٰ حضرت ہیں۔

خان صاحب بغور مطالعہ فرمایئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدت فیوضہم نے

1۔غیب دانی یعنی غیب کو جاننا اور علم غیب اسی کو مخلوق کیلئے ثابت کرنا مخالف کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔ (سعیدی)

ایسا نہیں کیا۔ حضور کی فہم ودانش کی خوبی ہے اس اعتراض کا جواب ''بسط البنان'' میں بخوبی مذکور ہے۔

حضرت مولانا موصوف فرماتے ہیں:

(۳۲) علم بے واسطہ اور علم محیط جمیع اشیاء کا کہ جس سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہے یہ باری تعالیٰ شانہ کے ساتھ خاص اور جو علوم لازم اور ضروری مقام نبوت کے لئے ہیں وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اس میں کوئی شریک نہیں، کیونکہ جس درجہ کی آپ کی نبوت ہے اس درجہ کا آپ کو علم، تو جو علوم آپ کو مرحمت ہوئے ہیں ان میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا ''لانه سید الانبیاء والمرسلین علیهم الصلوة والتسلیم'' اور تیسرا درجہ علم الغیب کا وہ ہے جو زید وعمرو، بکر، صبی، مجانین، جملہ حیوانات کو حاصل ہے اس میں کوئی کمال نہیں ان مراتب ثلاثہ کا ذکر ''حفظ الایمان'' میں بھی موجود ہے۔ الی ان قال خان صاحب عقل کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ نفس الامر میں ان مراتب ثلاثہ کا ہونا اور بات ہے اور وجہ تسمیہ میں ذکر نہ کرنا اور بات ہے بلکہ ذکر بھی ایک طرح کا نہیں کسی کا ذکر صراحۃً ہوتا ہے اور کسی کا ضمناً وکنایۃً۔

(مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۷۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان ص ۲۱)

لیجئے! مخالفین کے حکیم الامت کے خلیفہ مجاز نے تھانوی صاحب کے حوالہ سے علم غیب کے تین درجات بیان کیے ہیں:

(۱) وہ علم غیب جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

(۲) وہ علم غیب جو عام انسانوں سے لے کر حیوانات تک سب کو حاصل ہے۔

(۳) وہ علم غیب جو حضور کے شایان شان اور آپ کا خاصہ ہے۔

آخری دو درجہ وہ ہیں جن کو ثابت کرنے والے مخالف کو آپ مشرک اور کافر کہتے ہیں۔

اور سنیے! منظور نعمانی لکھتے ہیں:

(۳۳) اس سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے کہ زید، عمرو غیرہ کے متعلق جو علم تسلیم کیا گیا ہے وہ مطلق بعض غیب کا علم ہے۔

(محمد منظور نعمانی، فیصلہ کن مناظرہ (در رسائل ثلاثہ) ص ۱۸۹)

(۳۴) مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے۔

ہر مومن کو کچھ غیوب کا علم تفصیلی ضرور ہوتا ہے

اس کا ثبوت خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو۔

(۳۵) فاضل موصوف ''الدولۃ المکیۃ ص ۱۳'' پر ارقام فرماتے ہیں:

بے شک ہم ایمان لائے ہیں قیامت پر اور جنت و دوزخ پر، اللہ تعالیٰ اور اس کی ساتوں صفات اصلیہ پر اور یہ سب کچھ غیب ہے اور ہم کو اس کا علم تفصیلی حاصل ہے اس طور پر کہ ہمارے علم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ پس غیب کے مطابق علم تفصیلی کا حصول ہر مومن کے لئے واجب ہے۔ (عربی عبارات چھوڑ کر صرف ترجمہ ذکر کیا ہے۔ وضاحت از مصنف)

نیز یہی خان صاحب ''خالص الاعتقاد'' ص ۲۴ پر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ .... مسلمانوں کو فرماتا ہے ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلاً علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن ہے؟ لاجرم ''تفسیر کبیر'' میں ہے ''لا یمتنع ان نقول من الغیب مالنا علیہ دلیل'' یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لئے دلیل ہے۔

(۳۶) خان صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو غیب کا کچھ علم ضرور ہے۔ (محمد منظور نعمانی، فیصلہ کن مناظرہ ص ۱۹۲۔۱۹۳)

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا ''یہ حضرات'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر علم غیب کے اطلاق کو کفر اور شرک کہتے ہیں اور علم غیب کی نفی پر آیتوں پہ آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں اور نفی علم غیب پر احادیث و آثار کا انبار لگا دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ تھانوی صاحب نے ''حفظ الایمان'' میں ہر زید و عمرو پر علم غیب کا اطلاق کر دیا ہے تو تھانوی صاحب کے خلفاء اور اکابر علماء دیوبند عام مومنین کے لئے علم غیب مان رہے ہیں اور عام مومنین کے لئے علم غیب ثابت کرنے کے لئے انہیں دلائل کا سہارا لے رہے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے

''الدولۃ المکیۃ'' میں اور'' خالص الاعتقاد'' میں بیان کئے ہیں۔

نہ جہاں میں کہیں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

ذرا ایک قدم اور آگے چل کر سنیے! نعمانی صاحب علم غیب کے اطلاق میں اور ترقی کرتے ہیں۔

سرخی قائم کرتے ہیں:

(۳۷) ''دنیا کی ہر چیز کو بعض غیوب کا علم ہے''۔

ہم ابھی ابھی ''الدولۃ المکیۃ'' سے خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ ''حق تعالیٰ اور اس کی صفات اور جنت و دوزخ ملائکہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں''۔ (اور یہ بالکل صحیح ہے)

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر چہ بذات خود غیب نہیں لیکن آپ کی رسالت بے شک امر غیب ہے کیونکہ وہ کوئی محسوس و مبصر چیز نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے درمیان ایک مخفی تعلق ہے۔ جو ہمارے ظاہری احساس کی دسترس سے بالاتر ہے اور صرف پیغمبر کی صداقت کے اعتماد پر اس پر ایمان لایا جاتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدت یا اس کے رسول کی رسالت کا علم حاصل ہوا تو اس کو بعض غیوب کا علم حاصل ہوا اور خاں صاحب کو تسلیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درختوں کے پتے اور ریگستان کے ذریعے بھی توحید و رسالت پر ایمان لانے کے مکلف ہیں وہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔ (محمد منظور نعمانی، فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۹۴)

صاحب! ہم کو تو سب کچھ تسلیم ہے آپ کے پیر و مرشد تھانوی صاحب نے چونکہ لکھ دیا کہ عام آدمیوں، بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی علم غیب ہوتا ہے اس لئے آپ اعلیٰ حضرت کے کندھے پر بندوق رکھ کر کائنات کے ذرے ذرے اور چپہ چپہ کے لئے علم غیب ثابت کر رہے ہیں اور دنیا کی ہر چیز پر بعض غیوب کا اطلاق کر رہے ہیں۔ لیکن اس کو کیا کیجئے گا کہ آپ ہی کے شاگرد جناب سرفراز صاحب نے دوٹوک الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت کرنا کفر اور شرک ہے''۔

(ازالۃ الریب محصلہ ص ۳۸)

نیز انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطائی طور پر بھی علم غیب حاصل نہ تھا۔ (ازالۃ الریب ص ۵)

ذرا سوچئے! آپ کے پروردہ شاگرد نے آپ کو اور دوسرے اکابر دیوبند کو کہاں پہنچا دیا ہے؟ ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

آیئے! اب ہم آپ کے سامنے خود مخالف مذکور کی عبارت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر علم غیب کا اطلاق ثابت کیے دیتے ہیں۔

مخالف مذکور تھانوی صاحب کی ''حفظ الایمان'' والی عبارت کی اصلاح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۳۸) مولانا مرحوم کی مراد یہ ہے کہ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی کیا تخصیص ہے ایسا یعنی اس قدر اور اتنا علم غیب کہ جس کے اعتبار سے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب (1) کہتے ہو اور اطلاق لفظ عالم الغیب کے لئے جتنے اور جس قدر کی ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم تو یہ زید و عمرو بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ حیوانات اور بہائم کو بھی حاصل ہے۔ تو چاہئے کہ سب کو معاذ اللہ تعالیٰ عالم الغیب کہا جائے۔ کیونکہ ان قائلین کے نزدیک کسی کے عالم الغیب کہنے کے لئے محض اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو غیب کی کسی نہ کسی بات کا علم ہو اور ان چیزوں کو بھی بعض مغیبات کا علم ضرور ہے اور نہ سہی تو کم از کم ذات باری تعالیٰ ہی کا علم ہے اور وہ بھی منجملہ مغیبات سے ہے۔ (محمد سرفراز خاں صفدر۔ عبارات اکابر)

1۔ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار تصریح کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''عالم الغیب'' کہنا اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں۔ تھانوی صاحب نے کسی فرضی سوال کا جواب دیا ہے۔

یہ وہی سرفراز صاحب ہیں جو حضور ﷺ کے لئے بعثت سے پہلے کی غیب کی کسی خبر پر اطلاع نہیں مانتے اور جو بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے کو کفر اور شرک کہتے نہیں تھکتے۔ آج اللہ نے انہیں ایسا خراب کیا ہے کہ تمام انسانوں اور حیوانوں سب کے لئے علم غیب ثابت کر رہے ہیں اور تکفیر کے جس خنجر کو انہوں نے ''ازالۃ الریب'' سے آب دار کیا تھا ''عبارات اکابر'' لکھ کر اسی خنجر سے خودکشی کر لی ہے۔ کذالک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر۔

اخیر میں مخالف مذکور کی یہ عبارت بھی ملحوظ رکھی جائے:

راقم نے جو چیز ثابت کی ہے وہ غیب کی خبریں ہیں.......... اور جب چیز کی نفی کی ہے وہ علم غیب ہے وہ نہ تو آنحضرت ﷺ کو ذاتی طور پر حاصل تھا اور نہ ہی عطائی طور پر اگر آپ کو انباء الغیب، اخبار الغیب اور علم غیب میں فرق معلوم نہیں یا آپ کے لائق استادوں نے آپ کو نہیں بتایا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ آپ دیوبندی مسلک کے کسی طالب علم ہی سے یہ فرق معلوم کر لیتے اور اب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ہر آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالآباد بماند

اس عبارت میں مخالف مذکور نے حضور ﷺ کے لئے مطلقاً علم غیب کی نفی کی ہے خواہ ذاتی ہو یا عطائی اور اس سے پہلے ''عبارات اکابر'' والی عبارت میں عام انسانوں سے لے کر جانوروں تک علم غیب کو ثابت کیا ہے اور مانا ہے۔

تمہاری تہذیب آپ ہی اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیاں بنے گا ناپائیدار ہو گا

یہ بحث بہت طویل ہو گئی لیکن مخالف مذکور نے جس طنطنہ، تعلّی اور تفاخر سے رسول اللہ ﷺ کے علم کی نفی پر قلم اٹھایا تھا اس قلم کو توڑنا ضروری تھا اور یہ بتلانا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا انکار کر رہے ہو اور تمہارے اکابر اور اساتذہ مثلاً اشرف علی تھانوی، مرتضیٰ حسین چاند پوری، حسین احمد مدنی اور محمد منظور نعمانی یہ سب حضرات تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر دنیا کی ہر چیز کے لئے علم غیب ثابت کر رہے ہیں۔ تم نے ہمارا گھر جلانے کے لئے جو آگ لگائی تھی ذرا دیکھو تو سہی کہیں وہ تمہارا ہی گھر تو نہیں پھونک رہی۔

مکافات عمل سے گروہ ہوں غافل تو ہوں بے شک
ہمارا کام ہے نیک اور براں کو سمجھانا!

ذاتی اور عطائی کی بحث

مخالف مذکور لکھتے ہیں علم غیب نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر حاصل تھا اور نہ عطائی طور پر۔ (محمد سرفراز خاں صاحب صفدر، اتمام البرہان ص ۲۲)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب نہیں تھا اور اس کے برعکس عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن کریم کی دو آیتوں سے یہ بات صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی حالات کا علم عطا نہیں کیا تھا اور ذاتی وعطائی کا غیر معصوم آراء کے تحت خودساختہ جھگڑا بھی ختم ہوا۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، ازالہ الریب ص ۱۴۲)

مخالف مذکور نے جو ذاتی اور عطائی ہر اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کر دی اور بزعم خویش یہ دوراز کار بحثیں اور جھگڑا ہی ختم کر دیا ہے۔ اس سے پہلے باب میں ہم علم غیب ثابت کر چکے ہیں۔ ہم ابھی آپ کو دکھلائے دیتے ہیں کہ مخالف مذکور کے لائق اساتذہ اور خود انہوں نے ''براہین قاطعہ'' کی عبارت سنوارنے کے لئے اسی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کا سہارا لیا ہے بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ بسا اوقات نبی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی شے کا علم ہوتا ہے اور توجہ نہیں ہوتی جو بات ہم اہل سنت کہتے ہیں وہ انہوں نے بھی کہی ہے اور جب یہ عبارات سامنے آ جائیں گی تو انشاء اللہ العزیز حق واضح ہو جائے گا۔

منظور نعمانی صاحب ''براہین قاطعہ'' کی عبارت سنوارتے ہوئے لکھتے ہیں:

الغرض زیر بحث عبارت سے پہلی عبارت اور اس سے متصل ہی اس کے بعد کی عبارت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ صاحب ''براہین'' صرف وسعت علم ذاتی میں کلام فرما

رہے ہیں اور اسی کو انہوں نے شرک قرار دیا ہے۔

یہاں تک تو سیاق وسباق کے قرائن سے ہم نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے اور اگر چہ یہ قرائن بھی تصریحات سے کچھ کم نہیں لیکن اس کے بعد ہم مصنف ''براہین'' کی صاف وصریح عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کو واضح کر دیا ہے کہ میری بحث صرف علم ذاتی میں ہے نہ کہ عطائی میں۔ (محمد منظور نعمانی، فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۷۱، ۱۷۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بالفرض ''براہین'' میں یہ تصریح نہ بھی ہوتی اور سیاق وسباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لئے کسی طرح جائز نہ تھا۔ وہ ''خالص الاعتقاد'' ص ۲۸ پر بطور قاعدہ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ آیات واحادیث واقوال علماء جن میں دوسرے کے لئے اثبات علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی یا محیط کل) مراد ہیں پس ''براہین قاطعہ'' میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے اب درجہ اولیٰ ذاتی یا محیط کل پر محمول ہونی چاہئے۔ (محمد منظور نعمانی، فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۷۳)

شکر ہے آپ نے اعلیٰ حضرت کی اس تقسیم اور قاعدہ کو تسلیم کر لیا۔ لیکن مشکل تو آپ کے شاگرد مذکور کے لئے ہے جنہوں نے اس تقسیم اور قاعدہ کو ماننے سے مطلق انکار کر دیا ہے اور جب انہیں اس تقسیم کی ضرورت پیش آئے گی تو کیا ہوگا؟

مخالف مذکور مؤلف ''براہین قاطعہ'' کی عبارت بطور استدلال کے نقل کرتے ہیں:

اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے فخر عالم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لاکھ گنا اس سے زیادہ عطا فرمادے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کسی نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہئے۔ اور ثبوت ہو جانا نص سے واجب ہے مگر سوء فہم مولف کا قابل تماشا ہے کہ کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم

ذاتی آپ کا کوئی ثابت کرے۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، عبارات اکابر ص ۱۸۰۔۱۸۱)

لیجئے جناب! اب ہم نے آپ کی اعتماد کردہ اور نقل کردہ عبارت سے ذاتی اور عطائی کی تقسیم ثابت کردی ہے۔

عدم توجہ، عدم علم کو مستلزم نہیں

اور علم کے باوجود توجہ نہ ہونے کے بارے میں خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

ہاں کسی جزوی حادثہ حقیر کا حضرت کو اس لئے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہ فرمائی آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہیں کرسکتا۔

(خلیل احمد انبیٹھوی المہند علی المفند جمع رسائل، ص ۲۳۹)

یہی عبارت بعینہ مخالف مذکور نے بھی ''عبارات اکابر'' ص ۱۸۸ پر نقل کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مخالف مذکور نے بڑے طنطنہ سے یہ کہا تھا کہ ذاتی اور عطائی کی تقسیم باطل ہے اور ہم نے ان کو اور ان کے اکابر کے قلم سے اسی تقسیم کو ثابت کردیا ہے۔ وللہ الحمد ؎

نگاہ شوخ کی کوتاہیوں کو کیا کہا جائے
کہ اپنی جنبش پیہم کے افسانے نہیں دیکھے

یہاں تک ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تدریجی، نبوت سے پہلے غیب کا علم، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم پر علم غیب کا اطلاق ذاتی اور عطائی کا ثبوت بیان کیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے علم کے بارے میں اہل سنت کا مسلک، اس پر دلائل اور علماء اسلام کی عبارات پیش کریں گے۔ گفتگو لمبی ضروری ہوجائے گی مگر کیا کریں کہ ؎

تمہارے ہی فریب حسن کا میں زخم خوردہ ہوں
تمہیں ہر حال میں سننی پڑے گی داستاں میری

علم کلی کے بارے میں اہل سنت کا مسلک

اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کے ہر ذرہ کا علم تفصیلی عطا فرمایا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ قطعی نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ہو۔ بعض علماء اسلام نے حضور کے لئے کائنات کا علم تفصیلی نہیں مانا۔ بعض نے روح کے علم میں اختلاف کیا۔ بعض نے امور

خمسہ کے علم میں اختلاف کیا۔ ان حضرات کا یہ اختلاف نیک نیتی سے تھا۔ ہمارے مخاطب وہ لوگ ہیں جو دن رات تنقیص رسالت میں کوشاں رہتے ہیں اور بغض رسالت کی وجہ سے ان علوم کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فضل محمد رسول اللہ ﷺ کے منکروں کو جہنم میں جانے دیجئے تمہ کلام استماع فرمایئے۔ ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو عطا فرمائے۔ آیا وہ روز ازل سے یوم آخرت تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔ بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں۔ کسی نے کہا: متشابہات کا، کسی نے خمس کا، کثیر نے کہا ساعت کا اور عام علمائے باطن اور ان کی اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔ ''ماکان و مایکون'' بمعنی مذکور میں از آنجا کہ غایت میں دخول وخروج دونوں متحمل ہیں ساعت داخل ہو یا نہیں۔ بہرحال یہ مجموعہ بھی علوم الٰہیہ سے ایک بعض حقیقت بلکہ ''انباء المصطفیٰ'' حاضر ہے میں نے ''قصیدہ بردہ شریف'' اور اس کی شرح ملا علی قاری سے ثابت کیا ہے کہ علم الٰہی تو علم الٰہی جو غیر متناہی در غیر متناہی یہ مجموعہ ''ماکان و مایکون'' کا علم علوم محمد رسول اللہ ﷺ کے سمندر سے ایک لہر ہے۔ پھر علم الٰہی غیر متناہی کے آگے اس کی کیا گنتی۔ اللہ کی قدر نہ جاننے والے اس کو معاذ اللہ علم الٰہی سے مساوات ٹھہراتے ہیں ''ماقدر اللہ حق قدرہ'' اور واقعی جب ان کے امام الطائفہ کے نزدیک ایک پیڑ کے پتے گننے پر خدائی آگئی تو ''ماکان و مایکون'' تو بڑی چیز ہے۔ خیر انہیں جانے دیجئے یہ خاص مسئلہ جس طرح ہمارے علمائے اہل سنت میں دائر ہے۔ مسائل خلافیہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مثل ہے کہ اصل محل معلوم نہیں۔ ہاں ہمارا مختار قول اخیر ہے جو عام عرفائے کرام بکثرت اعلام کا مسلک ہے۔ اس بارے میں بعض آیات و احادیث واقوال ائمہ حضرت کو فقیر کے رسالے ''انباء المصطفیٰ'' میں ملیں گے اور ''اللولو المکنون فی علم البشیر ماکان و مایکون'' وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر ووافر ہیں اور اقوال اولیائے اکرام وعلمائے عظام کی کثرت اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر

عظیم درکار ہے۔(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، خالص الاعتقاد ص ۱۴۸۔۱۴۹)

علم کلی پر دلائل

''الدولۃ المکیۃ'' ''انباء المصطفیٰ'' اور ''توضیح البیان'' کے حوالہ سے ہم علم کلی پر ایک یہ دلیل پیش کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً تکمیل قرآن کے ساتھ مکمل ہوا۔ اس کے علاوہ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔(النساء:۱۱۳)

''اور ہم نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سب کچھ بتلا دیا جسے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''ما'' استعمال فرمایا ہے اور علماء اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ ''ما'' اپنے عموم اور استغراق میں قطعی ہے۔ اور قطعی کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی۔ (صدر الشریعہ فرماتے ہیں: ''وعندنا قطعی مساء للخاص و القطعی فلا یجوز تخصیصه منهما''۔ (توضیح ص ۱۰۹) اس لئے اگر بعض مفسرین نے یہاں ''مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' (جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے) کو احکام شریعت کے ساتھ مقید کیا ہے تو وہ ناقابل التفات ہے اس آیت کا صریح مفاد اور قطعی مدلول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے خواہ وہ احکام شریعہ ہوں یا امور دنیویہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ تمام امور آپ کو بتلا دیئے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کے بعد باقی قرآن کیوں نازل ہوتا رہا؟ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ سورۂ نساء مدنی سورتوں میں سے ہے اور کون سی سورۃ آخری ہے اس پر اتفاق نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۂ نساء کی چند آیات کی آخری آیات میں سے (الاتقان ج ۱، ص ۷) نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ سورۂ نساء کے بعد چند سورتیں نازل ہوئی ہیں (اتقان ج ۱ ص ۲۶)۔ لہٰذا جب کہ آخری سورۃ اور آخری آیت کا تعین قطعی نہیں ہے تو غیر قطعی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ''

آپ اس سے پہلے جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ بعد بھی قرآن مجید نازل ہوتا رہا تو یہ ہمارا دعویٰ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ بعض احکام اور واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی آپ پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ دیکھیں قرآن کریم میں نماز کی فرضیت سے متعلق تقریباً سو آیات نازل ہوئیں۔ ظاہر ہے اس کا علم تو ایک مرتبہ نازل ہونے سے ہو گیا تھا باقی آیتوں کا نزول تعلیم کے سبب نہیں اور حکمتوں کے پیش نظر ہوا۔ سورۃ فاتحہ کا دو مرتبہ نزول ہوا، قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو کئی کئی بار نازل ہوئیں۔ پس تعلیم کے لئے تو ایک مرتبہ نازل ہونا کافی تھا ایک مرتبہ کے بعد جو سورۃ اور آیات نازل ہوتی رہیں وہ دیگر حکمتوں کی بناء پر تھیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول جانے۔ بہر حال ان کا نزول تعلیم کے لئے نہیں تھا۔ وضو اور نماز پہلی نماز کے ساتھ فرض ہوئے۔ لیکن آیت وضو سورہٗ مائدہ میں مدینہ میں نازل ہوئی اسی طرح پانچ نمازیں شب معراج مکہ میں فرض ہوئیں اور نماز پڑھنے کی تفصیل حضور کو پہلی وحی کے ساتھ معلوم تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے نزول سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام اور واقعات کا علم ہوتا تھا۔ آیات صرف تعلیم کے لئے نازل نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے اگر ''عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' کے بعد بھی قرآن کریم نازل ہوتا رہا تو اس سے قطعی طور پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعلیم احکام واخبار کے لئے ہی نازل ہوتا ہے اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غیر قطعی چیز قطعی کے معارض نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا یہ معارضہ کرنا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ان زبانوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ (البقرہ:۱۵۱)

اور یہ کہا جائے کہ یہاں بھی ''ما'' کا عموم قطعی ہے تو چاہئے کہ امت کا بھی علم کلی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''یعلمکم'' میں ضمیر ''کم'' بھی جمع ہے اور ''مالم تکونوا تعلمون'' بھی جمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو تقسیم احاد کی طرف احاد کی ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امت کے جمع افراد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ بتلا دیا جو سب وہ نہیں جانتے تھے۔ اس سے مساوات کا شبہ نہ ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ان

تمام باتوں کو جانتے ہیں جن باتوں کو تمام امت مل کر جانتی ہے۔ پھر جس کو جو کچھ بتادیا وہ اس سے آگے نہیں بڑھا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں اس کو وہ بتایا ہوا ہی یاد ہو (جیسا کہ عنقریب احادیث سے ثابت ہوگا کہ حضور نے تو ابتداء خلق سے لے کر سب کچھ بتادیا تھا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا) لیکن حضور ﷺ کا تمام علم محفوظ ہے اور ہر آن ترقی پذیر ہے اور ان کا مولیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان کا علم بڑھتا رہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ:۱۱۴)

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اور زیادتی فرما۔

حضور ﷺ حیات ظاہری میں تو صحابہ کرام کو احکام اور اخبار کی تعلیم دیتے ہی تھے۔ وصال کے بعد بھی آپ نے امتیوں کو محروم نہیں رکھا اور قیامت تک آپ کا فیضان جاری ہے۔ اور آپ امت مسلمہ کو تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ۔ (الجمعہ:۲-۳)

(حضور) صحابہ کو بھی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان بعد والوں کو بھی جو ابھی تک صحابہ سے واصل نہیں ہوئے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله تعالیٰ یقول انما اید ائمة المذاهب مذاهبهم بالمشی علی قواعد الحقیقة مع الشریعة اعلاماً لاتباعهم بانهم كانوا علماء بالطریقین كانه و یقول لا یصح خروج قول من اقوال الائمة المجتهدین عن الشریعة ابدا عند اهل الكشف قاطبة و كیف یصح

حضرت سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ائمہ مذاہب نے اپنے اپنے مذاہب کو شریعت کے ساتھ قواعد حقیقت کے مطابق رکھا ہے، تاکہ ان کے پیروکار جان لیں کہ ان کے ائمہ شریعت اور طریقت دونوں کے جامع ہیں اور سیدی علی خواص علی فرماتے ہیں کہ تمام اہل کشف کے نزدیک ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول شریعت

خروجهم عن الشريعة من اطلاعهم على مواد اقوالهم من الكتاب والسنة واقوال الصحابة و مع الكشف الصحيح و مع اجتماع روح احدهم بروح رسول الله ﷺ و سوالهم عن كل شيء توقفوا فيه من الادلة هل هذا من قولك يا رسول الله ام لا يقظة و مشافهة بالشروط المعروفة بين اهل الكشف و كذالك كانوا يسألونه ﷺ عن كل شئ فهموه من الكتاب والسنة قبل ان يدونوه فى كتبهم و يدينو الله تعالى به ويقولون يا رسول الله قد فهمنا كذا من اية كذا و فهمنا كذا من قولك فى الحديث الفلانى كذا فهل ترضيه ام لا و يعملون لمقتضى قوله و اشارته و من توقف فيما ذكرناه من كشف الائمة المجتهدين و من اجتماعهم برسول الله ﷺ من حيث الارواح قلنا له هذا من جملة كرامات الاولياء بيقين وان لم تكن الائمة المجتهدون اولياء فما على وجه الارض ولى ابداً و قد اشتهر عن كثير من الاولياء الذين هم دون الائمة

سے باہر نہیں ہوتا حالانکہ ان کے اقوال کی مدار کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر ہوئی ہے۔ پھر ان کے اقوال کشف صحیح کے مطابق ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی روح رسول اللہ ﷺ کی روح کے ساتھ ملاقات کرتی ہے اور جن دلائل میں انہیں تردد ہوتا ہے وہ براہ راست حضور ﷺ سے سوال کرتے ہیں۔ اہل کشف کی شرائط کے مطابق وہ نیند اور بیداری میں حضور ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یہ آپ کا قول ہے یا نہیں اور کتاب وسنت سے متعلق ہر چیز پہلے آپ سے پوچھتے ہیں۔ پھر اس کی کتاب میں تدوین کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے اس آیت یا حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے، آپ اس سے راضی ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق فیصلہ کر کے لکھتے ہیں اور یہ جو ہم نے ائمہ مجتہدین کی حضور سے ملاقات اور استفادہ کا بیان کیا ہے، یہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے اور اگر ائمہ مجتہدین اولیاء نہ ہوں تو پھر روئے زمین پر کوئی ولی نہیں ہو گا، حالانکہ کثیر اولیاء اللہ کی شہرت ہے اور

المجتهدين في المقام بيقين انهم كانوا
يجتمعون رسول الله ﷺ كثيرا و
يصدقهم اهل عصرهم على ذلك
لسيدى الشيخ عبدالرحيم القناوى و
سيدى الشيخ ابى مدين المغربى و
سيدى ابى السعود ابن ابى العشائر و
سيدى الشيخ ابراهيم الدسوقى و
سيدى الشيخ ابى الحسن الشاذلى و
سيدى الشيخ ابراهيم المقبولى و
سيدى الشيخ جلال الدين السيوطى و
سيدى الشيخ احمد الزواوى البحرى و
جماعة ذكرنا هم فى كتاب طبقات
الاولياء ورايت ورقة بخط الشيخ
جلال الدين السيوطى عند احد
اصحابه و هو الشيخ عبدالقادر
الشاذلى مراسلة لشخص سأله فى
شفاعة عند السلطان قايتبالى رحمه
الله تعالى اعلم يا اخى انى قد اجتمعت
برسول الله ﷺ الى وقتى هذا خمسا
و سبعين مرة يقظة و مشافهة فلولا
خوفى من احتجابه ﷺ عنى بسبب
دخولى للولاة لطلعت القلعة و شفعت
فيك عند السلطان و انى رجل من

وہ مرتبہ میں مجتہد سے کم ہوتے ہیں اور
اولیاء کی حضور ﷺ سے بہ کثرت
ملاقات ہوتی ہے جیسے شیخ عبدالرحیم قنادی
اور سیدی شیخ ابی مدین مغربی اور سیدی ابو
سعود ابن ابی العشائر اور سیدی ابراہیم
دسوقی اور سیدی شیخ ابوالحسن شاذلی اور سیدی
شیخ ابوالعباس مرسی اور سیدی شیخ ابراہیم
مقبولی اور سیدی الشیخ جلال الدین سیوطی
اور سید الشیخ احمد الزواوی البحری اور ایک
کثیر جماعت جس کا ذکر ہم نے کتاب
''طبقات اولیاء'' میں کیا ہے اور میں نے
شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا
خط شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس دیکھا۔
کسی شخص نے شیخ سیوطی سے سلطان
قایتبالی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سفارش کرنے کے
لئے کہا تھا اس کو علامہ سیوطی نے جواب
میں لکھا اے بھائی! میں اب تک رسول
اللہ ﷺ سے پچھتر (۷۵) مرتبہ بیداری
میں ملاقات کر چکا ہوں اور اگر مجھے یہ خوف
نہ ہوتا کہ حکام کے دربار میں حاضری سے
میں اس نعمت سے محروم ہو جاؤں گا تو میں
تمہاری سفارش کر دیتا۔ لیکن میں رسول
اللہ ﷺ کی احادیث کا خادم ہوں اور

خدام حدیثه ﷺ و احتاج الیه فی
تصحیح الاحادیث التی ضعفها
المحدثون من طریقهم ولا شك ان نفع
ذالك ارجح من نفعك انت یا اخی و
یوید الشیخ جلال الدین فی ذالك ما
اشتهر عن سیدی محمد بن زین
المادح لرسول ﷺ انه کان یری
رسول الله ﷺ یقظة و مشافهة و
لماحج کلمه من داخل القبر ولم یزل
هذا و قامه حتی طلب منه شخص من
الصحراویة ان یشفع له عند حاکم البلد
فلما دخل علیه اجلسه علی بساط
فانقطعت عنه الرؤیة فلم یزل یتطلب
من رسول الله ﷺ الرؤیة حتی
قرآله شعرا، فتراءی له من بعید فقال
تطلب رؤیتی من جلوسك علی بساط
الظلمة لا سبیل لك الی ذلك فلم یبغلنا
انه راٰه بعد ذالك حتی مات و قد بلغنا
عن الشیخ ابی الحسن الشاذلی و
تلمیذه الشیخ ابی العباس المرسی و
غیرهما انهم کانوا یقولون لو احتجبت
عنا رؤیة رسول الله ﷺ طرفة عین
ما عددنا انفسنا من جملة المسلمین

جن احادیث کو محدثین نے ضعیف قرار دے دیا اس کی تصحیح معلوم کرنے کے لئے مجھے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ضرورت رہتی ہے اور اے بھائی! اجتماعی نفع تمہارے انفرادی نفع سے زیادہ ہے اور اس کی تائید شیخ جلال الدین یہاں کرتے ہیں کہ سیدی محمد بن زین جو رسول اللہ ﷺ کے نعت خواں تھے۔ اور حضور ﷺ سے بالمشافہ بیداری میں ملاقات کرتے تھے۔ جب وہ حج کے لئے گئے تو حضور ﷺ نے داخل قبر سے ان سے گفتگو فرمائی اور ان کا مقام یونہی بلند رہا۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے ان سے حاکم شہر کے ہاں سفارش طلب جب حاکم کے پاس گئے تو اس نے انہیں اپنی مسند پر بٹھایا۔ اس کے بعد سے حضور ﷺ کی زیارت منقطع ہوگئی۔ وہ ہمیشہ حضور ﷺ کی زیارت کی جستجو میں لگے رہے تھے کہ ایک دن دور سے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا: میری زیارت طلب کرتے ہو اور ظالموں کے ساتھ مجلس کرتے ہو؟ اس کے بعد ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ زیارت سے مشرف ہوا ہو حتیٰ کہ فوت ہوگیا اور شیخ

فاذا كان هذا قول احاد الاولياء فلائمة المجتهدون اولى بهذا المقام- و كان سيدى الخواص رحمه الله تعالى يقول لا ينبغى لمقلد ان يتوقف فى العمل بقول من اقوال ائمة المذاهب و يطالبهم بالدليل على ذلك لانه سؤ ادب فى حقهم و كيف ينبغى التوقف على العمل باقوال قد بنيت على اصل صحيح الاحاديث او على الكشف الصحيح الذى لايخالف الشريعة ابدا فان علم الكشف اخبار بالامور على ما هى عليه فى نفسها و هذا اذا حقيقته و جدته لا يخالف الشريعة فى شئى بل هو الشريعة بعينها فان رسول الله ﷺ لا يخبر الا بالواقع لعصمة من الباطل والظن و سياق بيان ذلك قريبا ان شاء الله تعالى و سمعت سيدى عليا المرصفى رحمه الله تعالى يقول مرارا كان ائمة المذاهب رضى الله تعالى عنهم وارثين لرسول الله ﷺ فى علم الاحوال و علم الاقوال معا خلاف ما يتوهمه بعض المتصوفة حيث قال ان المجتهدين لم يرثوا من رسول الله

ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابو العباس مرسی بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم پلک جھپکنے کی مقدار بھی حضور ﷺ سے اوجھل رہیں تو اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتے۔ پس جب عام اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو ائمہ مجتہدین تو اس سے زیادہ مقام کے مالک ہیں اور سیدی خواص فرماتے تھے کہ مقلد کو اپنے امام کے قول پر عمل کرنے میں توقف نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان کے قول پر دلیل طلب نہ کرنا چاہئے کہ یہ بے ادبی ہے اور ان اقوال پر عمل کرنے میں توقف کس طرح جائز ہوگا جو احادیث صحیحہ اور کشف صحیح پر مبنی نہیں جو کبھی شریعت کے مخالف نہیں ہوتا؟ کیونکہ کشف صحیح ہمیشہ واقعی اور نفس الامری ہوتا ہے۔ اگر تمہیں کشف نصیب ہو تو تم دیکھو گے کہ کشف صحیح شریعت کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ ہمیشہ واقع کے مطابق خبر دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ ظن اور باطل سے محفوظ ہیں۔ اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا بیان آئے گا کہ سید علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ بارہا بیان کرتے تھے: ائمہ مذاہب رضی اللہ عنہم علم احوال اور علم اقوال میں رسول اللہ ﷺ کے وارث ہوتے ہیں۔ بخلاف بناوٹی

ﷺ الا علم المقال فقط حتی ان بعضهم قال جمیع ما علمه المجتهدون کلهم ربع علم رجل کامل عندنا فی الطریق اذا الرجل لا یکمل عندنا حتی یتحقق فی مقام ولا یته بعلوم الحضرات الاربع فی قوله تعالی هو الاول و الاخر والظاهر والباطن۔ و هولاء المجتهدون لم یتحققو لیسوی علم علی حضرة اسمه الظاهر فقط لا علم لهم بعلوم حضرة الازل والابد ولا یعلم الحقیقة انتہ۔ قلت و هذا کلام جاهل باحوال الائمة الذین هم اوتاد الارض و قواعد الدین والله اعلم۔ و سمعت سیدی علیا الخواص ایضا یقول کل من نور الله تعالی قلبه وجد مذاهب المجتهدین و اتباعهم کلها تتصل برسول الله ﷺ من طریق السند الظاهر بالعنعنة و من طریق امداد قلبه ﷺ لجمیع قلوب علماء امته فما اتقد مصباح عالم الا من مشکوة نور قلب رسول الله ﷺ فافهم و سمعته یقول مرة ما من قول من اقوال المجتهدین و مقلدیهم الا	صوفیوں کے جو کہتے ہیں کہ مجتہدین صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے وارث ہیں۔حتیٰ کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجتہدین کے پاس کامل آدمی کا صرف چوتھائی علم طریقت ہے کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی شخص اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اسماء الوہیت اول، آخر، ظاہر، باطن کے مقام پر نہ پہنچ جائے اور مجتہدین صرف اسماء ظاہر کے حامل ہوتے ہیں۔ اور ازلیہ ابدیہ اور حقیقت کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں: یہ کلام ان لوگوں کا ہے جو ائمہ مجتہدین جو دراصل زمین میں اللہ کے قطب اور دین کا مدار ہیں، ان کے حال سے ناواقف ہیں واللہ اعلم۔ سیدی علی خواص فرماتے ہیں: جس شخص کے دل میں بھی اللہ کا نور ہوگا وہ مجتہدین اور پیروکاروں کو رسول اللہ ﷺ سے متصل پائے گا، بطریق سند حدیث کے بھی رسول اللہ ﷺ کے قلب کی امداد سے بھی جو تمام علماء امت کو حاصل ہے اور کسی عالم کا دل روشن نہیں ہوتا، مگر رسول اللہ ﷺ کے سینہ کے نور سے اور سیدی علی خواص نے ایک مرتبہ فرمایا: مجتہدین

وينتهي سنده برسول الله ﷺ ثم بجبريل ثم بحضرة الله عزوجل التى تجل عن التكييف من طريق السند الظاهر و السند الباطن و الذى هو علم الحقيقة المؤيدة بالعصمة فمن نقل علمها على الحقيقة لم يصح منه خطأ فى قول من اقواله و انما يقع الخطاء فى طريق الاخذ عنها فقط فكما يقال ان جميع ما رواه المحدثون بالسند الصحيح المتصل ينتهي سنده الى حضرة الحق جل و على فكذالك يقال فيما نقله اهل الكشف الصحيح من علم الحقيقة و ذالك لان جميع مصابيح علماء الظاهر والباطن قد اتقدت من نور الشريعة فما من قول من اقوال المجتهدين و مقلديهم الاوهو مويد باقوال اهل الحقيقة لاشك عندنا فى ذالك۔ (علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ص ۴۴،۴۵)

اور ان کے مقلدین کے اقوال میں سے کوئی قول نہیں ہوتا مگر اس کی سند رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو سند ظاہر اور سند باطن کی کیفیت سے پاک ہے۔ پس جو ان کے علوم کو نقل کرتا ہے۔ اس کے اقوال میں خطا ممکن نہیں ہے۔ الّا یہ کہ اس کے حاصل کرنے کے طریقہ میں خطاء ہو۔ اور محدثین کرام جتنی احادیث سند صحیح متصل کے ساتھ روایت کرتے ہیں ان کی سند اللہ عزوجل تک پہنچتی ہے۔ اسی وجہ سے اہل کشف کہتے ہیں کہ صحیح وہ ہے جس نے حقیقت کو جان لیا اس لئے کہ تمام علماء ظاہر اور باطن کے چراغ نور شریعت سے روشن ہیں اور تمام مجتہدین اور ان کے مقلدین کے اقوال اصل حقیقت کے اقوال سے مؤید ہوتے ہیں۔ اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں۔

عارف ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی کے بیان سے اس بات پر وافر روشنی پڑتی ہے کہ حضور ﷺ عہد رسالت سے لے کر قیامت تک تمام صالح اور اہل افراد امت کو تعلیم اور تزکیہ سے نوازتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مستفید میں حضور ﷺ سے

استفادہ کرنے کی وہ تمام شرائط پائی جائیں جو مجتہدین کرام، ان کے نائبین اور اولیاء اللہ میں ہوتی ہیں جن کی طرف علامہ شعرانی نے اپنی اس عبارت میں اشارہ فرمایا ہے۔

علم ہو یا کوئی اور نعمت سب اللہ تعالیٰ انہیں کی تقسیم سے دلاتا ہے، جس کو جو ملتا ہے انہیں سے ملتا ہے، جو پاتا ہے انہیں کے فیضان سے پاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کسی کو براہ راست ان کے دست اقدس سے نعمت ملتی ہے اور کوئی بے شمار واسطوں کے ذریعے ان سے نعمت پاتا ہے۔

ہیں پاس جو عطایا سب ان کا ہی کرم ہے
جو وہ خود بلا کے دیتے تو کچھ اور بات ہوتی

اس مضمون کو اب عمدۃ المتاخرین علامہ محمود آلوسی سے سنیے:

ویجوز ان یکون ذلک بالاجتماع معہ علیہ الصلوۃ والسلام روحانیۃ ولابدع فی ذلک فقد وقعت رؤیتہ ﷺ بعد وفاتہ لغیر واحد من الکاملین من ھذہ الامۃ والاخذ منہ یقظۃ، قال الشیخ سراج الدین الملقن فی طبقات الاولیا، قال الشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ، رأیت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر فقال لی یا بنی لم لا تتکلم ... قلت یا أبتاہ انا رجل اعجم کیف أتکلم علی فصحاء بغداد ... فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعا و قال تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربکَ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور استفادہ جائز ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ اس امت کے بے شمار کاملین نے حضور ﷺ کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آپ سے علم حاصل کیا ہے۔ شیخ سراج الدین الملقن ''طبقات اولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا: میں ظہر سے پہلے حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے ابا جان! میں ایک عجمی شخص ہو کر فصحاء بغداد کے سامنے کس طرح لب کشائی کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو میں نے اپنا منہ کھولا۔ آپ نے

فصيلت الظهر و جلست و حضرني خلق
كثير فارتج على فرأيت عليا كرم الله
تعالى وجهه قائما بازائى فى المجلس
فقال لى يابنى لم لا تتكلم، قلت يا
ابتاه قد ارتج على فقال افتح فاك
ففتحته فتفل فيه ستا فقلت لم لا
تكملها سبعا، قال ادبا مع رسول
الله ﷺ ثم توارى عنى فقلت
غواص الفكر يغوص فى بحر القلب على
درر المعارف فيتسخرجها الى ساحل
الصدر فينادى عليها سمسار ترجمان
اللسان فتشترى بنفائس اثمان حسن
الطاعة فى بيوت اذن الله ان ترفع، وقال
ايضا فى ترجمة الشيخ خليفة بن موسى
النهر ملكى كان كثير الرؤية لرسول الله
عليه الصلوة والسلام يقظة و منا ما
فكان يقال ان اكثر افعاله يتلقاه منه
ﷺ يقظة و مناما وراه فى ليلة
واحدة سبع عشرة مرة قال لا فى
احداهن يا خليفة لا تضجر منى فكثير
من اولياء مات بحسرة رؤيتى، وقال
الشيخ تاج الدين بن عطاء الله فى
لطائف المنن قال رجل للشيخ ابى

میرے منہ میں سات بار اپنا لعاب دہن
ڈالا اور فرمایا: اب وعظ کرو اور لوگوں کو
حکمت اور نصیحت سے اللہ کے راستے کی
طرف بلاؤ۔ پس میں نے ظہر کی نماز پڑھی
اور بیٹھ گیا میرے پاس خلقت کا ایک
اژدھام جمع ہو گیا اور مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی
میں نے دیکھا کہ میرے سامنے مجلس میں
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف فرما
ہیں۔ فرمانے لگے: اے بیٹے! وعظ کیوں
نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے ابا جان!
مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی ہے۔ آپ نے
فرمایا: منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے
چھ بار میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا،
میں نے عرض کیا: آپ نے سات بار مکمل
کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: رسول ﷺ کے
ادب کے پیش نظر۔ اس کے بعد آپ میری
نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا
کہ ایک فکر کا غوطہ زن میرے دل کے
سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگا رہا ہے اور
تہ سے حقائق و معارف کے موتی نکال کر
میرے سینہ کے ساحل پر رکھ رہا ہے اور
زبان اور سینہ کے ساحل پر رکھ رہا ہے اور
زبان اور سینہ کے درمیان کھڑا ایک سفیر

العباس المرسی یا سیدی صافحنی بکفك هذه فانك لقیت رجالا و بلادا فقال والله ما صافحت بکفی هذه الا رسول الله ﷺ و قال الشیخ لو حجب عنی رسول الله ﷺ طرفة عین ما عددت نفسی من المسلمین و مثل هذه النقول کثیر من کتب القوم جدا۔ (ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۲۲، ص ۳۵۔۳۶)

ترجمان زبان سے کہہ رہا ہے: اچھی عبادت کی نفیس قیمت ادا کر کے ان موتیوں کو خرید لو اور خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی نے شیخ کی سوانح میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رسول اللہ ﷺ کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کیا کرتے اور شیخ نیند اور بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے بہ کثرت وظائف حاصل کرتے تھے۔ ایک بار صرف ایک رات میں شیخ کو سترہ مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ اس رات کی زیارتوں میں سے ایک زیارت میں سرکار نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لئے زیادہ بے قرار نہ ہوا کرو۔ نہ جانے کتنے اولیاء اللہ میری زیارت کی حسرت میں ہی فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ ''لطائف المنن'' میں لکھتے ہیں ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے کہا: اے میرے سردار! اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے کیونکہ آپ بہت سے شہروں میں گئے ہیں اور آپ نے بہت سے نیک لوگوں سے ملاقات کی ہے، ابو العباس مرسی نے کہا: بخدا! میں اس ہاتھ

سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی سے مصافحہ نہیں کرتا۔ اور شیخ مرسی نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوجھل پاؤں تو اس ساعت اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ (علامہ آلوسی فرماتے ہیں:) کتابوں میں اس قسم کی عبارتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

و قد ذکر عن السلف والخلف و هلم جدا ممن کانوا راؤہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم و کانوا ممن یصدقون بھذا الحدیث فرأوہ بعد ذلك فی الیقظة و سألوہ عن اشیاء کانوا منها متشوشین فاخبرهم بتفریجها و نص لهم علی الوجوہ التی منها یکون فرجها فجاء الامر کذلك بلا زیادة ولا نقص انتهی المراد منه۔ (ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۳، ص ۳۶)

سلف اور خلف سے یہ بات بہت مسلسل منقول چلی آ رہی ہے کہ جو لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند میں دیکھتے ہیں اور انہیں اسی حدیث کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا وہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں بھی دیکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جن میں ان کو تردد اور پریشانی رہتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے مسئلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان کا تردد ختم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ اور بغیر کسی زیادتی اور کمی کے فی الواقع ایسا ہی ہے۔

اور حافظ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں:

و سئل نفع اللہ بعلومہ و رضی اللہ عنہ

حافظ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ

هل یمکن ایمان الاجتماع بالنبی ﷺ فی الیقظة والتلقی منه فاجاب نعم یمکن ذلک۔ فقد صرح بان ذالک من کرامات الاولیاء الغزالی والبارزی والتاج السبکی والعفیف الیافعی من الشافعیة والقرطبی و ابن ابی حمزة و ابی جمرة عن المالکیة و قد حکی عن بعض الاولیاء انه حضر مجلس فقیه فروی ذالک الفقیه حدثیا فقال له الولی هذا الحدیث باطل قال و من این لک هذا قال هذا النبی ﷺ واقف علی راسک یقول انی لم اقل هذا الحدیث و کشف للفقیه فراٰه۔ (حافظ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، فتاوی حدیثیہ، ص ۲۵۴)

اب بھی حضور ﷺ سے بیداری میں ملاقات اور آپ سے علم کا حصول ممکن ہے؟ حافظ ابن حجر مکی نے جواب میں فرمایا: یہ بات ممکن ہے اور اولیاء اللہ کی کرامات میں اس بات کی تصریح ہے جیسے امام غزالی، بارزی، تاج الدین سبکی اور عفیف یافعی شافعیہ سے قرطبی اور ابن ابی حمزہ اور ابی جمرۃ مالکیہ سے اور اولیاء اللہ سے حکایت ہے کہ ایک ولی ایک فقیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے اس فقیہ نے ایک حدیث بیان کی۔ ولی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ فقیہ نے پوچھا: آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ فرمایا: تمہارے سر کے پاس نبی ﷺ کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں: یہ بات میں نے نہیں کہی پھر فقیہ کے لئے بھی اس کو کشف کر دیا اور فقیہ نے بھی حضور ﷺ کی زیارت کی۔

اور علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

(فان قلت) هل ثم احد من البشر ینال فی الدنیا علما من غیر واسطة محمد ﷺ (فالجواب) کما قاله الشیخ فی الباب الاحد و تسعین واربعمائة لیس احد ینال علما فی الدنیا الا وهو

اگر تم پوچھو کہ دنیا میں کوئی ایسا بشر ہے جس کو حضور ﷺ کے واسطے کے بغیر کوئی نعمت ملی ہو؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ شیخ ابن عربی نے بیان کیا کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے مگر وہ حضور ﷺ کی باطنیت

من باطنية محمد ﷺ سواء الانبياء و الاولياء المتقدمون على بعثه والمتاخرون عنه و اطال فى ذلك كما تقدم بسط فى المبحث قبله۔

سے مستفید ہے۔خواہ انبیاء ہوں،خواہ علماء اور علماء خواہ پچھلی شریعتوں کے ہوں یا اس شریعت کے۔

(علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، ج ۲ ص ۳۴۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت،۱۴۱۸ھ)

نیز فرماتے ہیں:

اما القطب الواحد المدد لجميع الانبياء والمرسلين والاقطاب من حين انشاء الانسان الى يوم القيمة فهو روح ﷺ۔

بہرحال قطب واحد اور تمام انبیاء و رسول اور تمام قطب کی مددگار ابتداء انسانیت سے لے کر قیامت تک روح محمد ﷺ ہے۔

(علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۴۵۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت،۱۴۱۸ھ)

کون دیتا ہے دینے کو مونہہ چاہئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

اور اس بحث میں انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ثم التحقيق ان رؤيته ﷺ لا يتعين فى رؤية عين الذات المباركة فان الاحوال فى رؤية الشخص مختلفة فربما نرى شخصا من الاحياء ولا يكون له علم برؤيتنا ولو كان فى المنام عين ما

پھر تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت آپ کی معین ذات مبارکہ میں منحصر نہیں ہے کیونکہ آپ کی زیارت کے وقت آپ کی شخصیت کریمہ کے احوال مختلف ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات زندہ

فی الخارج لکان عندہ شعور بها فالمرئی
اذا بها واللہ تعالیٰ اعلم۔ قد یکون
صورۃ مخلوقۃ اللہ تعالیٰ علی مثال
تلك الصورۃ ای انه تعالیٰ یخلق حقیقة
علی مثال صورۃ وروحانیته أرانا
ایاها واوقع فی نفسنا مخاطبتها ایاها و
قد تکون روحه المبارکة بنفسها مع
البدن المثالی لم قد تکون یقظة ایضا
کما انها قد تکون مناما و یمکن عندی
رؤیته ﷺ یقظة لمن رزقه اللہ
سبحانه کما نقل عن السیوطی رحمه
اللہ تعالیٰ (و کان زاهدا) متشددا فی
الکلام علی بعض معاصریه ممن له
شأن) انه رآہ ﷺ اثنین و عشرین
مرۃ و ساله عن احادیث ثم صححها
بعد تصحیحه ﷺ و کتب الیه
الشاذلی یستشفع به ببعض حاجته الی
سلطان الوقت و کان یوقرہ فابی السیوطی
رحمه اللہ تعالیٰ ان یشفع له وقال انی لا
افعل و ذالك لان فیه ضرر نفسی و ضرر
الامة لانی رأیته ﷺ غیر مرۃ ولا
اعرف فی نفسی امرا غیر انی لا اذهب الی
باب الملوك فلو فعلت امکن ان

لوگوں میں سے کسی شخص کو دیکھتے اور اسے
ہمارے دیکھنے کا علم نہیں ہوتا اور اگر نیند
میں بھی وہی نظر آئے جس کو ہم نے بیداری
میں دیکھا تھا تو اسی کو شعور ہونا چاہیے۔ پس
جس صورت کی زیارت ہوتی ہے (واللہ
اعلم) وہ حضور ﷺ کی اصل صورت کی
مثال کے مطابق مخلوق ہوتی ہے۔ یعنی اللہ
تعالیٰ حضور ﷺ کی اصل صورت کے
مطابق مثال پیدا فرماتا ہے جس میں حضور
کی حقیقت اور روحانیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ
وہ صورت ہمیں دکھاتا اور ہمارے دلوں
میں واقع کرتا ہے اور اس سے ہم کو ہم کلام
کرتا ہے اور کبھی حضور ﷺ کی روح
بنفسہا اپنے بدن مثالی کے ساتھ آتی ہے اور
پھر کبھی نیند میں اور میرے نزدیک حضور
ﷺ کی زیارت بیداری میں ممکن ہے
جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمادے جیسا
کہ منقول ہے علامہ سیوطی (جو عابد اور
زاہد، علم میں اپنے معاصرین میں سب سے
بڑھ کر تھے) انہوں نے حضور ﷺ کو
بائیس مرتبہ دیکھا اور آپ سے مختلف
احادیث کی تحقیق کی۔ پھر حضور ﷺ کی
تصحیح کے مطابق ان احادیث کی تصحیح کی اور

احرم من زيارته المباركة فانا لرضى بضرك اليسير من ضرر الامة الكثير والشعراني رحمه الله تعالى ايضا كتب انه راه ﷺ و قراء عليه البخاري فى ثمانية رفقة معه ثم سماهم وكانوا احد منهم حنفيا و كتب الدعاء الذى قرأه عند ختمه فالرؤية يقظة متحققة و انكارها جهل۔

(انورشاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۳ھ، فیض الباری ج ۱، ص ۲۰۴)

ان کی طرف شاذلی نے اپنی بعض ضروریات کے بارے میں خط لکھا کہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کی سلطان وقت کی طرف سفارش کر دیں کیونکہ سلطان ان کی تعظیم کرتا تھا۔ پس سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا اور عذر پیش کیا کہ اس کام کے کرنے سے مجھے نقصان ہو گا اور امت مسلمہ کو بھی کیونکہ حضور ﷺ کی بے شمار مرتبہ زیارت کرتا ہوں۔ اور اگر میں نے تمہارے کہنے کے مطابق سلطان سے تمہاری سفارش کر دی اور حکام کے دروازے پر چلا گیا تو عین ممکن ہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت مبارکہ سے محروم ہو جاؤں اور میں امت کے اس بڑے نقصان کے مقابلہ میں تمہارے دنیاوی نقصان کو برداشت کرلوں گا اور شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھا اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بیداری میں ''بخاری'' پڑھی، شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام لیا۔ ان میں سے ایک ساتھی حنفی تھا اور شعرانی نے وہ دعا بھی لکھی ہے جو حضور ﷺ نے ختم بخاری

کے وقت پڑھی۔ پس بیداری میں آپ کی
زیارت ایک حقیقت ثابتہ ہے اور اس کا
انکار کرنا جہالت ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی، علامہ آلوسی، علامہ ابن حجر مکی، قدوۃ الصوفیاء محی الدین ابن عربی اور مخالفین کے پیشوا انور کشمیری کی ان مفصل عبارات سے یہ امر مبرہن ہو گیا کہ حضور ﷺ نہ صرف صحابہ کو تعلیم دیتے تھے، بلکہ قیامت تک جتنے لوگ آپ پر ایمان لانے والے ہیں ان سب کو علم و حکمت سے نوازتے ہیں۔ عوام کو کتاب و سنت کے واسطے سے اور خواص بالمشافہ اور براہ راست "اللھم اجعلنی من الخواص لا زورہ واتلقی منہ ﷺ بالمشافھۃ مناما ویقظۃ" اور انور شاہ کشمیری نے صراحت کی ہے کہ جو شخص اس بات کا انکار کرے گا وہ شخص جاہل ہوگا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ (الجمعہ:3-2)	(اور حضور) کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں (اور مکہ والوں کے علاوہ) ان لوگوں کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیں گے جو ابھی ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔

اور ہم نے علماء کی عبارات سے ثابت کر دیا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ حضور ﷺ اخیار امت کے افراد کو آج تک نیند اور بیداری میں علم و حکمت سے نواز رہے ہیں۔ آیئے! اب اس سلسلے میں کتب تفسیر کی طرف رجوع کریں کے انہوں نے "وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ" کی تفسیر میں کیا لکھا ہے؟

ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

و قال اخرون انما عنی بذالک جمیع من دخل فی الاسلام کائنا من کان الی یوم القیمۃ۔ (ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان پ ۲۸ ص ۶۳)	اور بعض مفسرین نے کہا کہ "وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ" سے قیامت تک اسلام لانے والے لوگ مراد ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔

اس کے بعد اس کے ثبوت میں حدیث ذکر کرتے ہیں:

قال ابن زید فی قوله الله عزوجل واخرین منهم لما یلحقوا بهم قال هؤلاء کل من کان بعد النبی ﷺ الی یوم القیمة کل من دخل فی الاسلام من العرب والعجم۔ (ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، پ ۲۸، ص ۶۳)

ابن زید نے اللہ تعالیٰ کے قول ''وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ'' کی تفسیر میں فرمایا: یہ وہ قیامت کے لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے بعد ایمان لائے، خواہ عربی ہوں یا عجمی۔

اور امام قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای یعلمهم و یعلم اخرین من المؤمنین لان التعلیم اذا تناسق الی اخر الزمان کان کله مسندا الی اوله فکانه هو الذی تولی کل و ما وجد منه (لما یلحقوا بهم) ای لم یکونوا فی زمانهم و لیجئون بعدهم قال ابن عمرو سعید ابن جبیر هم العجم ان قال و قال مجاهد هم الناس کلهم یعنی من بعد العرب الذین بعث فیهم محمد ﷺ و قاله ابن زید و مقاتل ابن حیان قالاهم من دخل فی الاسلام بعد النبی ﷺ الی یوم القیمة۔ (امام ابوعبداللہ بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸، ص ۹۳)

(یعنی حضور) مومنوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان مومنوں کو بھی جو بعد میں آئیں گے کیونکہ جب آپ کی تعلیم آخری زمانہ تک قائم رہے گی تو وہ آپ ہی کی طرف منسوب ہو گی۔ ''لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے زمانہ میں نہ تھے اور آپ کے بعد آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور سعد بن جبیر نے کہا کہ وہ عجمی لوگ ہیں اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد عرب کے بعد وہ تمام لوگ ہیں جو حضور پر ایمان لائے اور ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔

اور علامہ آلوسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

ای لم یلحقوا بھم بعد و سیلحقون و ھم الذین جاؤا بعد الصحابة الی یوم الدین۔ (علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۲۸، ص ۹۳۔۹۴)

یعنی جولوگ ابھی تک صحابہ کرام کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے اور عنقریب لاحق ہوں گے۔ یہ لوگ صحابہ کے بعد سے لے کر قیامت تک کے مسلمان ہیں۔

ای لم یلحقوا بعد وھم الذین بعد الصحابة رضی اللہ عنھم و ھم الذین یاتون من بعدھم الی یوم الدین۔ (ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۰۱ھ، تفسیر مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۴، ص ۲۶۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی تک صحابہ سے لاحق نہیں ہوئے اور صحابہ کے بعد آئیں گے یا وہ لوگ ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوں گے۔

کل من صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر العرب۔ (حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۳۶۴)

یہ وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے عربوں کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔

تھانوی صاحب اس آیت کے تحت مسائل السلوک کے تحت لکھتے ہیں:

''اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض امت پر قیامت تک منقطع نہ ہوگا۔ اور اولیاء آپ کے ورثہ ہیں اسی طرح ان کا فیض بھی بعد وفات جاری رہتا ہے''۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بیان القرآن ج ۲ ص ۱۰۶۴)

اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے معلم ہیں، جیسا کہ ان کتب تفسیر کی صراحت سے ظاہر ہوا۔ عوام کے لئے کتاب وسنت کے واسطے سے معلم ہیں اور خواص ائمہ مجتہدین، اولیاء کاملین کے لئے بلاواسطہ معلم ہیں۔ ان کو نیند اور بیداری میں بالمشافہ تعلیم دین سے نوازتے ہیں، جیسا کہ محی الدین ابن عربی، علامہ ابن حجر مکی، علامہ سیوطی، علامہ عبدالوہاب شعرانی، علامہ سید محمود آلوسی اور انور شاہ کشمیری کے حوالوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اگر ''علمك مالم تکن تعلم'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا تو لازم آئے گا ''و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون'' کا مطلب یہ ہوگا امت جو کچھ نہیں جانتی اس کو حضور نے وہ سب کچھ بتلا دیا۔ پھر حضور کے علم کلی میں کیا خصوصیت رہی اور نبی اور امت کے علم میں مساوات ہوگئی؟ اس کا جواب ہم نے تفصیل سے دے دیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک افراد امت میں سے جو جس علم کا اہل ہے اس کو تعلیم دے رہے ہیں۔ اس طرح قیامت تک کی کل امت مل کر ان تمام حقائق کو جانے گی جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکیلے جانتے ہیں (1)۔ اس لئے مساوات لازم آئی اور نہ آپ کی خصوصیت میں کوئی فرق آیا۔ اور یہ جواب اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ جب جمع کا تقابل جمع سے ہو تو تقسیم احاد کی طرف ہوتی ہے اور ''یعلمکم مالم تکونوا تعلمون'' میں ضمیر ''کم'' بھی جمع ہے اور ''مالکم تکونوا تعلمون'' میں بھی جمع ہے نیز جس طرح ''علمك مالم تکن تعلم'' (جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتا دیا) میں عقل مخصص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ آپ کو حاصل نہیں ہو سکتے (حالانکہ آپ انہیں بھی نہیں جانتے تھے، کیونکہ متناہی کے ساتھ غیر متناہی کا قیام نہیں ہو سکتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں)۔ اس لئے جہاں عقل تخصیص کرتی ہے کہ اس آیت کے عموم سے اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علوم مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح وہ علوم بھی مستثنیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خصائص میں سے ہیں جن کو ''مالا دلیل علیه'' سے تعبیر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح ''یعلمکم مالم تکونوا تعلمون'' میں بھی عقلاً تخصیص ہوگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب امت کو سب علوم بتائے۔ لیکن ان سب سے مراد وہ علوم ہیں جو ان افراد امت کے اپنے اپنے حال کے مناسب اور ان کی اپنی شان کے مطابق ہیں (اور قاعدہ جمع کا تقابل جمع سے بھی یہی تقاضا کرتا ہے)۔ لہٰذا یہاں بھی علوم کے عموم سے وہ علوم مستثنیٰ ہیں جو نبوت اور

1۔ لیکن تمام امت کے کل علوم مل کر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے برابر نہیں ہو سکتے اس کی تفصیل بادلائل آگے آرہی ہے۔

رسالت اور خاص طور پر آپ کے خصائص میں سے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امت کے تمام افراد کے علوم مل کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے ایک قطرہ سمندر کے سامنے ہو۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۳)

جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتا دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔

اس آیت کے تحت ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم کلی ثابت کیا ہے اور اس سلسلے میں منکرین علم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو شبہات ہیں ان کا مسکت جواب بادلائل و باحوالہ بیان کر دیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے یہ امر لانا چاہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے علماء اسلام میں سے کن کن حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کلی پر استدلال کیا ہے اور غلام رسول سعیدی کا دامن اس استدلال میں کن کن نفوس قدسیہ کے ساتھ وابستہ ہے؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

وقد كثر الاختلاف في الروح بين الحكماء و العلماء المتقدمين قديما و حديثا الى ان قال فالاكثرون على انهم على ان الله تعالى ابهم علم الروح على الخلق واستاثره لنفسه حتى قالوا ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن عالما به قلت جل منصب النبي صلى الله عليه وسلم و هو حبيب الله و سيد خلقه ان يكون غير عالم بالروح و كيف و قد من الله بقوله (و علمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله

روح کی حقیقت میں حکماء اور علماء میں شروع اور آخیر میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت مخلوق پر منکشف نہیں کی اور اس کے علم کو اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روح کی حقیقت کا علم نہیں تھا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو، حالانکہ آپ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم تھا، اس پر مستقل عنوان کے تحت بحث کریں گے۔

علیك عظیما) و قد قال اکثر العلماء لیس فی الایة دلیل علی ان الروح لا یعلم ولا علی النبی ﷺ لم یكن یعلمها۔ (علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام فرمایا کہ "آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے"؟ اکثر علماء نے کہا کہ اس آیت مبارکہ میں روح کے منکشف ہونے کی دلیل نہیں اور نہ اس بات پر کہ نبی ﷺ اس کو جانتے نہیں تھے۔

علامہ عینی نے حضور ﷺ کے علم روح پر "عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" سے استدلال کیا ہے اور یہ استدلال اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب "عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" کو علم کلی پر محمول کیا جائے کیونکہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ علم روح جزی علم ہے اور جزی کا علم جزی سے نہیں کلی سے مستفاد ہوتا ہے۔ اگر "عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ" سے مراد بعض علوم جزئیہ ہوں تو ان سے علامہ عینی کا علم کلی پر استدلال صحیح نہیں ہوگا۔ یہ استدلال اس وقت صحیح ہوگا جب "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ" سے مراد علم کل ہو۔ فھو المراد۔

اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(و علمك) بانواع الوحی (مالم تكن تعلم) ای الذی لم تكن تعلمه من خفیات الامور و ضمائر الصدور و من جملتها و جوہ ابطال كید الكائدین او من امور الدین و احكام الشرع۔ كما روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما اومن الخیر والشر۔ كما قال

اللہ تعالیٰ نے وحی کی مختلف اقسام سے آپ کو وہ تمام چیزیں بتلا دیں جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے خواہ وہ پوشیدہ امور ہوں یا لوگوں کے دلوں کے حالات اور انہیں علوم میں مکر کرنے والوں کے مکر کا ابطال بھی شامل ہے اور ان میں احکام شریعت اور امور دین بھی داخل ہیں جیسا کہ حضرت

الضحاك او من اخبار الاولین والاخرین کما قیل او من جمیع ما ذکر کما یقال و من الناس عن فسر الموصول باسرار الکتاب والحکمة ای انه سبحانه انزل علیك ذالك واطلعك علی اسرارہ واوقفك علی حقائقه۔

(علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۵،ص ۱۴۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یا ہر خیر اور شر کا علم جیسا کہ ضحاک کا قول ہے یا تمام اولین اور آخرین کی خبریں جیسا کہ بعض کا قول ہے یا مذکورہ تمام امور مراد ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور اس کے تمام اسرار پر آپ کو مطلع کر دیا اور ان کے تمام حقائق پر آپ کو واقف کر دیا۔

اور علامہ علاؤالدین خازن اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

علمك مالم تکن تعلم یعنی من احکام الشرع و امور الدین و قیل علمك من الغیب ما لم تکن تعلم و قیل معناہ و علمك من خفیات الامور و اطلعك علی ضمائر القلوب و علمك من احوال المنافقین و کیدھم (وَ کَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا) یعنی ولم یزل فضل الله علیك یا محمد عظیما فاشکرہ علی ما اولا لك من احسانه و من علیك بنبوته و علمك ما انزل من کتابه وحکمته۔

(علامہ علاؤالدین خازن متوفی ۷۴۱ھ، لباب التاویل الموسوم بالخازن ج ۱ ص ۴۲۹)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتلا دیں جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے، یعنی شریعت کے احکام اور امور دین، اور ایک تفسیر یہ ہے کہ غیب سے آپ جو کچھ نہیں جانتے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا اور ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ کو تمام پوشیدہ چیزوں اور لوگوں کے دلوں کے حالات پر مطلع کر دیا اور منافقین کے احوال اور ان کے مکر پر مطلع کر دیا۔ اور ''اے محمد! اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ آپ پر قائم رہا ہے''۔ آپ اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیجئے جس نے اپنے احسان سے آپ کو نبوت عطا کی اور آپ پر جو کتاب اور حکمت نازل کی اس کا علم عطا فرمایا۔

اور علامہ مظہری لکھتے ہیں:

وعلمك العلوم بالاسرار والمغیبات

(علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ، تفسیر کشاف ج ۱ ص ۵۶۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسرار اور مغیبات علم عطا فرمایا۔

اور علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

من خفیات الامور و ضمائر القلوب او من امور الدین والشرائع۔

(علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ، تفسیر کشاف ج ۱ ص ۵۶۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتلادیں جن کو پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔ یعنی مخفی امور، لوگوں کے دلوں کے حالات امور دین اور احکام شریعت۔

اور علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

(وانزل اللہ علیك الکتب و الحکمة) یقول و من فضل اللہ علیك یا محمد مع سائر ما تفضل به علیك من نعمه انه انزل علیك الکتب و هو القران الذی علیه بیان کل شیء و هدی و موعظة والحکمة یعنی وانزل علیك مع الکتاب الحکمة و هی ما کان فی الکتاب مجملا ذکرہ من حلاله و حرامه و امرہ و نهیه و احکامه و وعدہ و وعیدہ (وعلمك ما لم تکن تعلم) من خبر الاولین و الاخرین، و ما کان و ما هو کائنا قبل ذالك من فضل اللہ علیك یا محمد مذ خلقك فاشکرہ علی ما

(اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اے محمد! باوجود ان باقی تمام نعمتوں کے جن سے ہم نے آپ کو فضیلت دی ہے اس کی خاص نعمتوں سے یہ ہے کہ اس نے آپ پر کتاب نازل کی جو کہ قرآن ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے۔ اور حکمت نازل کی یعنی کتاب کے ساتھ آپ پر حکمت نازل کی جس میں قرآن کریم میں جو حلال و حرام، امر و نہی، احکام، وعدہ اور وعید کا مجملاً ذکر ہے، اس کا بیان ہے "اور جن چیزوں کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے وہ سب آپ کو

اولاک۔ (ابوجعفر محمد بن ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان پ ۵ ص ۱۷۷)

بتلادیا'' خواہ وہ اولین اور آخرین کا بیان ہو یا ''ما کان و ما یکون'' ہو جب سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔ آپ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔

''وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ'' (النساء: ۱۱۳) کے تحت ہم نے جو حضور ﷺ کا علم کلی بیان کیا تھا اس پر عقلی شبہات کو قواعد عربیہ اور کتب تفسیر کی تائید سے دور کر دیا اور بالخصوص اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مستند ائمہ تفاسیر کی عبارت سے حضور ﷺ کے اس علم کلی کو مبرہن کر دیا (تاہم یاد رہے کہ علم کلی کا عقیدہ قطعی نہیں ہے، ظنی ہے اور جو شخص محض تحقیق کی وجہ سے ان دلائل سے اختلاف کرے اور اس کی نیت تنقیص رسالت نہ ہو تو اس سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

تاہم اس اختلافی مسئلہ میں ہمارا مختار وہی ہے جو ان علماء اسلام کا ہے اور جس کا دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے معمور ہو۔ اس کی آنکھیں اس بیان کو پڑھ کر روشن ہوں گی اور دل مسرور ہوگا کیونکہ محبت کا یہی تقاضا ہے اور جن کے دل رسول اللہ کی محبت سے خالی ہیں اور وہ آپ کی عقیدت سے محروم ہیں ان کے ذہن پریشان ہوں گے، چہرہ زرد ہو جائے گا، دل کی کلیاں مرجھا جائیں گی اور ان کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ جائے گی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے علمی کمالات ان لوگوں کو کبھی راس نہیں آئے۔

مخالف مذکور نے لکھا ہے:

خاں صاحب کا یہ دعویٰ کہ روز ازل سے روز آخر تک کی تمام اشیاء اور ہر ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے ایک نرا کفریہ دعویٰ ہے۔

(محمد سرفراز خاں صفدر، اتمام البرہان، ص ۲۶)

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ علامہ عینی، علامہ آلوسی، علامہ خازن، علامہ زمخشری اور علامہ ابن جریر طبری سب نے ہی اپنے اپنے انداز میں علم کلی کی تقریر کی ہے اور آپ کے فتویٰ

سے یہ تمام علماء اساطین دین (ان کے علاوہ اور بہت سے علماء کا ہم آئندہ مباحث میں ذکر کریں گے) بیک جنبش قلم کافر قرار پائے۔ پہلے آپ نے حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کے اطلاق کو کفر اور شرک قرار دیا تھا اور اپنے اس فتویٰ سے علامہ زمخشری، علامہ میر سید شریف، علامہ فخر رازی، ابن جریر طبری، علامہ بیضاوی، امام قرطبی، علامہ آلوسی، علامہ شوکانی، علامہ اسماعیل حقی، شیخ ابوسعود، علامہ نیشاپوری، علامہ خازن، علامہ عسقلانی، علامہ ابن حجر مکی، ملا علی قاری اور ابن عابدین شامی کو کافر اور مشرک قرار دے ڈالا کیونکہ ان علماء اسلام نے حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

ذرا سوچیں تو سہی کہ آپ کی ایک عبارت نے کتنے رجال اسلام کو کافر و مشرک بنا ڈالا ہے؟ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

پھر اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ خود سمیت اپنے گھر کے بزرگوں کو بھی کافر اور مشرک بنا ڈالا کیونکہ مخالف مذکور نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ پر علم غیب کا اطلاق کفر ہے اور تھانوی صاحب نے ''حفظ الایمان'' میں، حسین احمد مدنی نے ''شہاب ثاقب'' میں، مرتضیٰ حسین چاند پوری نے ''توضیح البیان فی حفظ الایمان'' میں جگہ جگہ اور محمد منظور نعمانی نے ''فیصلہ کن مناظرہ'' میں متعدد جگہ اور خود مخالف مذکور نے ''عبارات اکابر'' میں حضور ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

بتلایئے کہ آپ کے فتویٰ کے بشمول آپ کے دیوبند کے یہ تمام صنادید کافر اور مشرک ہوئے یا نہیں؟ ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
ہوتا ہے جو خراب وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

حضور ﷺ کے علم کلی پر ہم نے قرآن کریم سے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ اس کے بعد احادیث شریفہ اور علماء اسلام کی عبارات کی روشنی میں یہ مسئلہ آپ پر واضح کرنا چاہتے

ہیں تا کہ معلوم ہو کون کون سی برگزیدہ ہستیاں مخالف مذکور کے فتویٰ کفر کی زد میں ہیں؟

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔ (امام محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، ج ا ص ۴۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ ﷺ نے ابتداء آفرینش سے خبریں بیان کرنا شروع کیں۔ حتیٰ کہ جنتیوں کے جنت میں اپنے مراتب تک جانے اور جہنمیوں کے جہنم میں اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں۔ جس شخص نے ان خبروں کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

اور علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

و فیه دلالة علی انه اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائها الی انتهائها و فی ایراد ذالك كلها فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادة و كیف و قد اعطی جوامع الكلم مع ذالك۔ (حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری جز ۱۵ ص ۱۱۰)

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضور ﷺ نے مجلس واحد میں تمام مخلوقات کے احوال ان کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک بیان کر دیئے اور ان سب کو ایک مجلس میں بیان کر دینا حضور ﷺ کے معجزات میں سے ایک امر عظیم ہے اور یہ کیونکر غیر متصور ہوگا جب کہ آپ کو جوامع الکلم بھی دیئے گئے ہیں؟

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

و فی تیسیر ایراد ذلك كله فی مجلس واحد من خوارق العادة امر عظیم و

ان تمام خبروں کو ایک مجلس میں بیان کر دینا حضور ﷺ کے ان عظیم معجزات میں

یقرب ذالك مع کون معجزاته لا مریة فیها انه صلی اللہ علیہ وسلم اعطی جوامع الکلم۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، ج ا ص ۱۰)

سے ہے جن میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو جوامع الکلم بھی عطا فرمائے گئے تھے۔

اور ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ای اخبرنا عن المبدء شیئا بعد شئ الی ان انتھی الاخبار عن حال الاستقرار فی الجنة والنار و دل ذالك علی انه اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من المبدء و المعاد والمعاش فتیسیر ایراد ذلك فی مجلس واحد من خوارق العادة امر عظیم۔ (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ ج ا ص ۴۴)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے لے کر ان کے جنت اور دوزخ میں ٹھہرنے تک کے تمام احوال بیان فرما دیئے اور ایک مجلس میں تمام مخلوق کے ان تمام احوال کو بیان فرما دینا جو ان کی ابتداء، دنیاوی زندگی اور اخروی احوال پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس تفصیلی بیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آسان کر دینا ایک امر عظیم ہے۔

اس مضمون کی ایک اور حدیث امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عَنْ حَذَيْفَةَ لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم خُطْبَةً مَا تَرَكَ فِيهِ شَيْئًا اِلٰی قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذُكَرَهُ عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ (الحدیث)۔ (امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۷)

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور قیامت تک جتنے امور ہونے والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب بیان کر دیئے جس شخص نے انہیں جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

علامہ قسطلانی اور ان کے متن کی شرح کے ساتھ علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

فوضح من ھذا الخبر و غیر مما سیاتی عن الاخبار و سنح من خواطر الابرار

اس حدیث اور آنے والی احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی

الاخیار انه ﷺ عرفهم بما یقع فی حیاته و بعد موته و ما قد انحتم و قرعه فلا سبیل الی فوقه و قال ابوذر فی حدیث رواه احمد والطبرانی وغیرھا۔ لقد ترکنا رسول الله ﷺ و ما یحرك طائر جناحیه فی السماء الا ذکرنا منه علما۔ ولا شك ان الله تعالی قد اطلعه علی ازید من ذالك والقی علیه علم الاولین والاخرین۔

(شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ، مواہب اللدنیہ مع زرقانی ج ۷ ص ۲۰۶)

دنیاوی زندگی میں ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کی موت کے بعد ان کے عواقب امور پر اور ''مسند احمد'' اور ''طبرانی'' اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر گئے کہ آپ نے آسمان پر اڑنے والے سب پرندوں کے بارے میں علم سے نوازا۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہت زیادہ علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے قلب پر اولین اور آخرین کا علم عطا فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاءُ الْأَعْلٰى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (الحدیث)۔ (شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ ص ۷۰)

عبدالرحمٰن بن عائش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملا اعلیٰ کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ! تو ہی خوب جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے

سینہ کے درمیان محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموات بل وما فوقھا کما یستفاد من قصة المعراج والارض ھی بمعنی الجنس ای و جمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتھا۔ (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۰)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام آسمانوں بلکہ اس کے اوپر تمام حوادث اور حقائق دیکھ لئے جیسا کہ واقع معراج سے ظاہر ہے اسی طرح ساتوں زمینوں بلکہ ان کے نیچے بھی جتنے حقائق ہیں وہ سب دیکھ لئے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کنایة عن حصول جمیع العلوم۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۳ھ، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۸۹)

حضور ﷺ کا فرمانا کہ میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو تمام علوم حاصل ہو گئے۔

نیز شیخ محقق اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس دانستم ھرچه در آسمان ھا وھر چه در زمین بود عبارت است از حصول علوم جزوی و کلی احاطه آں۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۳۳)

پس میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تمام جزوی و کلی علوم حاصل ہو گئے اور آپ نے ان کا احاطہ کر لیا۔

صاحب ''مشکوٰۃ'' نے اس حدیث کو ''ترمذی'' سے بھی صحیح بخاری کے ساتھ نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

فتجلی لی کل شئی وعرفت۔

مجھ پر ہر چیز منکشف ہو گئی اور میں نے ان

کو جان لیا۔ (شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ ص ۷۲)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس ظاهر شد و روشن شد مرا هر چیز از علوم و شناختم همه را۔ — پس مجھ پر ہر چیز ظاہر اور روشن ہو گئی میں نے علوم میں سے ہر چیز کو جان لیا۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۳۴۲)

''مشکوۃ شریف، کتاب الملاحم'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَهُمْ وَاَسْمَاءَ اٰبَآئِهِمْ (الحدیث)۔ — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان لوگوں کے اور ان کے آباء کے نام پہچانتا ہوں۔

(شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ شریف ص ۴۶۷)

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیه مع کونه من المعجزات دلالة علی ان علمه ﷺ محیط بالکلیات والجزئیات۔ (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ ج ۱۰، ص ۱۵۱) — حضور ﷺ کے اس فرمان میں آپ کے معجزہ کے علاوہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا علم (تمام) کلیات اور جزئیات کے علم کو محیط ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ ان الله زوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها۔ (ابوالحسین مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۹۰) — حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق و مغارب دیکھ لئے۔

سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو

کر اسلام قبول کیا پھر حضور ﷺ کی اجازت سے آپ کی نعت میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

فاشهد ان الله لا رب غيره و انك مامون على كل غائب۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

سواد بن قارب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ شعر سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے اور آپ کے چہرہ سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور آپ نے مجھے دعائیہ کلمات فرمائے: ''افلحت یا سواد''۔ اے سواد! تم کامیاب ہو گئے۔

(علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ، سیرت حلبیہ ج۱، ص ۳۲۴)

امام بوصیری ''قصیدہ بردہ'' میں لکھتے ہیں:

و من علومك علم اللوح والقلم۔

لوح اور قلم کا علم آپ کے علم کا بعض ہے۔

اس کی شرح میں علامہ خرپوتی لکھتے ہیں:

ان الله اطلعه عليه السلام على ما كتب القلم فى اللوح المحفوظ و زاده ايضا لان اللوح والقلم متناهيان فما فيهما متناه و يجوز احاطت المتناهى بالمتناهى۔ (علامہ عمر بن احمد خرپوتی، عصیدہ الشہیدہ ص ۲۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان تمام چیزوں پر مطلع کر دیا جن کو قلم نے لوح محفوظ میں لکھا ہے اور اس سے بھی زیادہ علم عطا کیا۔ اس لئے کہ لوح اور قلم دونوں متناہی ہیں۔ پس جو کچھ ان میں ہے وہ بھی متناہی اور متناہی کا متناہی احاطہ کر سکتا ہے۔

اور شیخ زادہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

و لعلها الله اطلعه على جميع ما فى اللوح و زاده ايضا لان اللوح والقلم متناهون فما فيهما متناه و يجوز احاطة المتناهى بالمتناهى هذا على

تحقیق یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان تمام چیزوں پر مطلع کر دیا جو لوح محفوظ میں ہیں بلکہ اس سے زیادہ پر بھی۔ کیونکہ قلم اور لوح متناہی ہیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ

قدر فهمك۔ اما من اکتحلت بصیرته بالنور الالهی فیشاهد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزء من علومه کما هی جزء من علم الله سبحانه لانه علیه السلام عند انسلاخ عن البشریة کما لا یسمع ولا یبصر ولا یبطش ولا ینطق الابه جلت قدرته و عمت نعمته کذالك لایعلم الا بعلمه الذی لا یحیطون بشئی منه الا بما شاء کما اشار الیه بقوله و علمك ما لم تکن تعلم۔ (شیخ زادہ، شرح قصیدہ بردہ علی ہامش العقیدہ ص۲۱۹۔۲۲۰)

بھی متناہی ہے اور متناہی کا متناہی احاطہ کر سکتا ہے۔ یہ ظاہری تقریر ہے۔ لیکن جس شخص نے نور الٰہی کی بصیرت کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہو وہ اپنے وجدان اور ذوق سے اس بات کا مشاہدہ کرے گا کہ لوح وقلم کے علوم حضور ﷺ کے علوم کا جز ہیں اور آپ کے علوم اللہ تعالیٰ کے علم کا جز ہیں کیونکہ حضور ﷺ جب بشریت سے باہر آئے تو آپ کا سننا، دیکھنا، تصرف کرنا بولنا سب اللہ جل مجدہ کی صفات سے ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت سے سنتے بصارت سے دیکھتے علی ہذا القیاس) اس طرح حضور کا جاننا بھی اللہ کی صفت علم سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اپنے قول ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' میں اشارہ فرمایا ہے

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضور ﷺ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

علوم اولین و آخرین او را دادہ وحقائق اشیاء کماهی نمودہ اند۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج۱ص۸۷)

تمام اولین اور آخرین کے علم حضور ﷺ کو عطا فرمائے اور تمام اشیاء کی حقیقت پر مطلع کیا۔

ہم نے احادیث صحیح اور مستند علماء کی عبارات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء آفرینش سے لے کر دخول جنت تک کا علم عطا فرمایا اور رسول

اللہ ﷺ نے یہ تمام واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان فرمائے ہیں اور علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولین اور آخرین کا علم عطا فرمایا ہے اور کلی غیب پر مطلع کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اس علم کے ثابت کرنے کو مخالف مذکور کفر قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

خان صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ روز ازل (اول وضاحت از مصنف) سے روز آخر تک کی تمام اشیاء اور ہر ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے ایک نرا کفریہ دعویٰ ہے۔

(محمد سرفراز خاں صفدر، اتمام البرہان ص ۲۶)

مخالف مذکور نے حضور کے لئے علم ''ما کان و مایکون'' (جو ہو چکا اور جو ہوگا کا علم) ثابت کرنے کو بھی کفر لکھا ہے۔ اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ علم ''ما کان و مایکون'' کا اصل مصدر کیا ہے اور مستند علماء اسلام میں سے کن کن حضرات نے حضور ﷺ کے لئے ''ما کان و مایکون'' کا علم ثابت کیا ہے؟

اس سے بیشتر کہ ہم علم ''ما کان و مایکون'' کا بیان کریں ایک بار پھر یہ تصریح کر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لئے علم کلی، کلی غیب یا ''ما کان و مایکون'' ماننا فرض ہے، نہ واجب، نہ اس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء نے نیک نیتی سے اختلاف بھی کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حضور ﷺ کے لئے یہ علم ثابت ہے اور یہی آپ کی شان کے لائق ہے۔

علم ''ما کان و مایکون''

علم ''ما کان و مایکون'' پر درج ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ اَبِیْ زَیْدٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْفَجْرَ وَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی

ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے ظہر پڑھائی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور

غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَمَاهُوَ كَائِنٌ فَاعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا۔

(ابوالحسین مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹)

خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی اور اس کے بعد پھر منبر پر رونق افروز ہو کر خطبہ دیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ نے ہمیں ''ما کان و ما یکون'' کی خبریں دیں۔ پس ہم میں سے جو زیادہ حافظہ والا تھا، اس کو زیادہ علم تھا۔

علامہ قسطلانی بیان فرماتے ہیں:

أَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا (بِحَيْثُ أَحَطْتُ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهَا۔ شَرْحِ زُرْقَانِي) فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَىٰ كَفِّيْ هٰذِهٖ۔ (شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ، مواہب مع زرقانی ج ۱ ص ۲۰۳)

طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام دنیا کو منکشف کر دیا۔ پس میں (یعنی میں نے تمام دنیا کا احاطہ کر لیا۔ شرح زرقانی) دنیا اور جو دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے (یعنی ''ما کان و ما یکون'' سعیدی) اس طرح دیکھ رہا تھا، جیسا کہ اپنی اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

علامہ زرقانی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں:

ثم يعلم باعتبار صدقه ووجوب اعتقاد ما يقول ان كل ما علمه الناس بعده من جملة مالا، حين رفعت له الدنيا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (محمد بن عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح مواہب زرقانی ج ۶ ص ۲۰۵)

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق معلوم ہے اور آپ کے قول کے مطابق اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جو بھی واقعات لوگوں کے سامنے آئے وہ یہ یقین رکھیں کہ یہ وہ واقعات ہیں جو حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت دیکھ لئے تھے۔ جب آپ کو دنیا دکھائی گئی تھی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ (الرحمٰن: ۳۔۴)

اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا۔

''انسان'' اور ''بیان'' کی تفسیر میں مفسرین کرام کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''انسان'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''بیان'' سے مراد ''ما کان و ما یکون'' کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ما کان و ما یکون'' کا علم عطا فرما دیا۔ یہ ابن کیسان کا قول ہے اور اس کو اکثر مفسرین نے بغیر کسی جرح کے نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ان مفسرین کا معتمد اور مختار ہے۔ العیاذ باللہ کوئی کفریہ عقیدہ نہیں ہے:

ملاحظہ فرمایئے! امام قرطبی فرماتے ہیں:

الانسان ھاھنا یراد به محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبیان بیان الحلال من الحرام، والھدی من الضلال و قیل ما کان و ما یکون لانه بین لمن الاولین و الاخرین و یوم الدین۔ (ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۱ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۵۲)

''انسان'' سے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور ''بیان'' سے مراد حلال کا حرام سے ہے اور ہدایت کا گمراہی سے بیان ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ ''ما کان و ما یکون'' کا بیان ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اولین و آخرین اور قیامت تک کی خبریں بیان کی ہیں۔

اور علامہ خازن فرماتے ہیں:

اراد بالانسان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علمه البیان یعنی بیان ما یکون و ما کان لانه صلی اللہ علیہ وسلم ینبئی عن خبر الاولین والاخرین و عن یوم الدین۔

''انسان'' سے مراد یہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''عَلَّمَهُ الْبَیَانَ'' سے مراد ''ما کان و ما یکون'' کا بیان ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اولین، آخرین اور قیامت تک کی

(ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۱ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷، ص ۱۵۲)

خبریں دی ہیں۔

اور قاضی مظہری لکھتے ہیں:

و جاز ان یقال خلق الانسان یعنی محمد ﷺ علمه البیان یعنی القرآن فیه بیان ما کان و ما یکون من الازل الی الابد۔ (قاضی محمد ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری پ ۲۷، ص ۱۴۵)

اور یہ قول جائز ہے کہ ''انسان'' سے مراد محمد ﷺ ہیں اور ''بیان'' سے مراد قرآن ہے جس میں ازل سے لے کر ابد تک ''ما کان و ما یکون'' کو بیان ہے۔

امام غزالی انبیاء علیہم السلام کے خصائص بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والرابع ان له صفة یدرك ما سیکون فی الغیب اما فی الیقظة او فی المنام اذ بها یطالع اللوح المحفوظ فیری ما فیه من الغیب فهذه کمالات و صفات یعلمه ثبوتها للانبیاء۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم ج ۴ ص ۷)

نبی کی چوتھی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ نیند یا بیداری میں غیب کے ''ما یکون'' کا ادراک کر لیتا ہے کیونکہ اسی صفت کے ساتھ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور لوح میں امور غیبیہ کو دیکھ لیتا ہے۔ پس یہ وہ کمالات اور صفات ہیں جن کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے لئے معلوم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انبیاء علیہم السلام کی چھیالیس صفات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے یہ ہیں:

الثانیة والاربعون اطلاع علی ما سیکون الثالثة والاربعون الاطلاع علی ما کان عما لم ینقله احد قبله۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۸۱)

نبی کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ اس کو ''ما یکون'' کا علم ہو اور تنتالیسویں صفت یہ ہے کہ اس کو اس ''ما کان'' کا علم ہو جو اس سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

علامہ خرپوتی لکھتے ہیں:

یجوز ان یقال انه علیه السلام کان اعلم منهم ببعض الامور کامور الاخرة واشراط الساعة واحوال السعداء والاشقیاء و علم ما کان و ما یکون ثم اعلم ان بیان علمه ثابت بقوله تعالی وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

(علامہ عمر بن احمد خرپوتی، عصیدۃ الشہدۃ ص ۸۱)

یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ حضور ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت بعض امور میں زیادہ علم رکھتے ہیں مثلاً امور آخرت، علامات قیامت، نیک اور بدلوگوں کے احوال کا علم اور ''ما کان و ما یکون'' کا علم۔ پھر یاد رکھو کہ حضور ﷺ کے یہ تمام علوم اللہ تعالیٰ کے قول ''عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' سے ثابت ہیں۔

نیز علامہ خرپوتی تحریر فرماتے ہیں:

لانه علیه السلام مفیض و انهم مستفافضون لانه تعالی خلق ابتداء روحه علیه السلام موضع علوم الانبیاء و علم ما کان و ما یکون فیه ثم خلقهم فاخذوا علومهم منه علیه السلام

(علامہ عمر بن احمد خرپوتی، عصیدۃ الشہدۃ ص ۸۳)

کیونکہ حضور ﷺ فیض دینے والے ہیں اور تمام انبیاء آپ سے فیض لینے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا اور انبیاء کے علوم اور ''ما کان و ما یکون'' کا علم عطا کیا۔ پس انبیاء علیہم السلام نے آپ سے علوم حاصل کئے۔

فائدہ: مذکورہ بالا شرح ''قصیدہ بردہ'' کے اس شعر کی ہے:

و کلهم من رسول الله ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الدیم

(علامہ عمر بن احمد خرپوتی۔ عصیدۃ الشہدۃ ص ۸۳)

تمام انبیاء حضور ﷺ سے مانگتے ہیں (علم کے) سمندر سے ایک چلو یا (علم کی) بارش سے ایک قطرہ۔

علامہ خرپوتی اس شعر کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان هذا البیت ثالث الابیات التی تمایل فیہا النبی ﷺ فیلزم لقاری ان یکررہ۔

یاد رکھو کہ یہ شعر "قصیدہ بردہ" کے ان اشعار میں سے تیسرا شعر ہے جسے پڑھ کر حضور ﷺ جھوم رہے تھے۔ پس پڑھنے والے پر لازم ہے کہ اس کو بار بار پڑھے۔

اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(لکن اللہ یشھد بما انزل الیک) لتجلیہ فیہ سبحانہ (انہ لہ بعلم) ای متلبسا بعلمہ المحیط الذی لا یعزب عنہ مثال ذرۃ فی السموات و لا فی الارض۔ و من ھنا علم ﷺ ما کان و ما ھو کائن۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۳ھ، روح المعانی پ۶ ص۲۲)

(لیکن اللہ تعالیٰ اس قرآن پر شاہد ہے جس کو آپ پر نازل کیا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے علم کی تجلی فرمائی (اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا تو اپنی اس صفت علم کے ساتھ آپ پر تجلی کی جس علم سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے "ما کان و ما یکون" کو جان لیا۔

اور ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

و علمك ما لم تکن تعلم من خبر الاولین والاخرین و ما کان و ما ھو کائن۔ (علامہ سید ابو جعفر، محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان پ۵ ص۱۷۷)

آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے ہیں ہم نے وہ سب آپ کو بتا دیا اولین اور آخرین کی خبریں اور "ما کان و ما یکون"۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

و عرض امتہ علیہ باسرھم حتی راھم و عرض علیہ ما ھو کائن فی امتہ حتی

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر آپ کی تمام امت پیش کی تھی کہ آپ ﷺ نے سب کو

تقوم الساعة۔

دیکھا اور آپ ﷺ کو امت میں قیامت تک جو ہونے والے واقعات تھے، سب دکھا دیئے (یعنی ما کان و ما یکون)۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فلا یصح منه الجهل بشئی من تفاصیل الشرع الذی امر بالدعوة الیه اذلا تصح دعوته الی ما لا یعلمه واما ما تعلق بعقده من ملکوت السموات والارض و خلق الله و تعیین اسماء الحسنیٰ و ایاته الکبریٰ و امور الاخرة واشراط الساعة و احوال السعداء والا شقیاء وعلم ما کان و ما یکون مما لم یعلمها لا بوحی فعلی ما تقدم من انه معصوم فیه لایاخذه فیما اعلم منه شك ولا ریب بل هو فیه علی غایة الیقین۔ (قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ، شفاء ج ۲ ص ۱۰۰)

شریعت کی تفاصیل میں سے کسی چیز سے حضور ﷺ کو ناواقفیت ہو یہ صحیح نہیں کیونکہ جب تک آپ کو کسی چیز کا علم نہ ہوگا اس کی طرف آپ کی دعوت صحیح نہیں ہوگی۔ وہ چیزیں جن کی معرفت آپ کے دل کو حاصل ہے مثلاً زمین و آسمان کی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعیین، آیات کبریٰ، امور آخرت، قیامت کی علامات، نیک اور بد لوگوں کے احوال "ما کان و ما یکون" کا علم، یہ اس قبیل سے ہے جس کو آپ نے صرف وحی کے ذریعہ جانا ہے۔ پس جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ان علوم میں آپ معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو بتلایا ہے اس میں آپ کو کسی قسم کا شک نہیں ہے بلکہ آپ کو ان علوم میں انتہائی یقین حاصل ہے۔

اس کے بعد قاضی عیاض نے لکھا ہے:

لکنه لا یشترط له العلم بجمیع تفاصیل ذلك۔

لیکن آپ کے علم کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ آپ کو ان امور کی جمیع تفاصیل کا علم ہو۔

یہ عبارت منکرین عظمت علم مصطفیٰ کو مفید نہیں ہے۔ اولاً: اس لئے کہ قاضی عیاض یہ کہہ رہے ہیں کہ جمیع تفاصیل کا حاصل ہونا آپ کے علم کے لئے شرط نہیں ہے۔ یہ نہیں کہہ رہے کہ جمیع تفاصیل آپ کو حاصل نہیں ہیں اوران دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ نبی کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صاحب کتاب نہیں ہوتا۔ ثانیاً: جمیع تفاصیل کے ہم قائل نہیں ہیں اس کی وضاحت ''علم الٰہی اورعلم رسول میں فرق'' کے عنوان سے آجائے گی اور انشاء اللہ حق وہاں بالکل ظاہر ہوجائے گا اوراس وقت قارئین کرام کو معلوم ہوجائے گا کہ قاضی عیاض کی یہ عبارت ہمارے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں:

(فلا یصح منه) ای النبی علیه الصلوة والسلام (الجهل بشیء من تفاصیل الشرع الذی امر بالدعوة اذ لاتصح دعوته الیٰ ما لا یعلمه) ای الی مالا علم به لدیه ﷺ (واما ما تعلق بعقده) ای یجزم قبله فی معرفة ربه (من ملکوت السموات والارض) ای ظواهر هما و بواطنهما (و خلق الله تعالیٰ) ای و سائر مخلوقاته العلویة السفلیة (و تعیین اسمائه الحسنیٰ) ای المشتملة علی نعوت الجمال و صفات الجلال کما یقتضیه ذات الکمال (و ایاته الکبریٰ) ای العظمیٰ من عجائب مخلوقاته وغرائب مصنوعاته (و امور

جن شرعی احکام کی طرف دعوت دینے کا حضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ ان کی تفاصیل سے آپ کا ناواقف ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ جس چیز کا آپ کو علم نہ ہو اس چیز کی طرف آپ کی دعوت دینا صحیح نہیں ہے۔ اور جن چیزوں کی معرفت کا آپ کو اپنے رب کی طرف سے یقین ہے یعنی زمین و آسمان کی ظاہری اور باطنی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی تمام اعلیٰ اور ادنیٰ مخلوق، اللہ تعالیٰ کے تمام ان اسماء کی تعیین جو اس کی صفت جمال، جلال اور کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ عجائب مخلوقات میں ان کی نشانیاں، امور آخرت میں حشر ونشر اور اس دن کی شدید ہولناکیاں، قیامت کی علامات، قطع

الاخرة) من نشرا و حشرا و شدائد احوالها و مکایدا هو الهار (و اشراط الساعة) ای علاماتها من قطیعة الارحام و قلة الکرام و کثرة اللیام و کثرة الظلم من الانام (و احوال السعداء) فی جنة النعیم (والاشقیاء) فی محنة الجحیم (وعلم ما کان) فی بدء الامر (و ما یکون مما لم یعلمه) و یروی فیما لا یعلمه (الا بوحی فعلی ماتقدم) جواب اما ای محصول علی ما سبق (من انه معصوم فیه لا یاخذه فیما اعلم به) بصیغة المجهول (منه شك) ای تردد (و لا ریب) ای شبهت لقوله تعالی فلاتکونن من الممترین (بل هو فیه علی غایة الیقین) فی طریق الدین المبین۔

(ملاعلی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۴ ص ۶۰ ـ ۶۱)

رحمی، عزت کا کم اور ملامت کا زیادہ ہونا، لوگوں پر زیادتی کا زیادہ ہونا، نیک لوگوں کے جنت میں احوال اور بدکار لوگوں کی جہنم میں تکلیفیں، ابتداء آفرینش کے خلق کے احوال کا علم اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم جو سوائے وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے، ان تمام علوم کے بارے میں جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے آپ معصوم ہیں یعنی جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے یا جو چیزیں آپ نے لوگوں کو بتلائی ہیں، ان کے بارے میں آپ کے ذہن میں کسی قسم کا تردد اور شک واقع نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شک کرنے سے منع فرمایا ہے: کہ ''آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں'' اس لئے ان علوم میں آپ کو شک نہیں، بلکہ انتہائی یقین حاصل ہے جو کہ دین مبین کا طریقہ ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی اس عبارت کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

(فلا یصح) ولا یجوز عقلا و شرعاً (منه) ﷺ و من کل نبی (الجهل بشئی من تفاصیل الشرع) ای شرعه ﷺ (الذی امر) بالنبأ للمفعول ای امره الله تعالی (بالدعوة) ای دعوة

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کی دعوت دینے کے لئے مخلوق کی طرف بھیجا ہے۔ عقلاً اور شرعاً یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ کو اس کی تفصیل کا علم نہ ہو۔ کیونکہ شریعت سے لاعلمی اس کی طرف

امته (الیه) ای الی اتباعه والعمل به لان جهله به ینافی امرہ بدعوته (ولا تصح دعوته الی ما لا یعلمه) لانه طلب المجهول وهو ممتنع عقلا و شرعا و عبث غیر مفید فکان ﷺ اعلم الناس باحکام ربه وله الولایة العامة علی جمیع خلقه و الامامة العظمی فکان یحکم بالقضاء والسیاسة والافتاء و یحکم بالظاهر والباطن کالخضر علیه الصلوۃ والسلام کما قال السیوطی والفرق بین احکامه بما ذکر فضله السبکی والعراقی فی قواعدہ و للعلامة ابی شامة فیه تالیف مستقل لا یستطیع هذا المقام تفصیله و ان تکلم بعضهم فیه هنا کلاما غیر مهذب فاذا اردت تحققه فانظر کلام القوم فیه (واما ما تعلق بعقدہ) ای یجزم قلبه فیما بصرہ الله تعالی به علیه الصلوۃ والسلام (من ملکوت السموت والارض) الملکوت مبالغة فی الملك کالرهبوت والجبروت قد یخص بغیر المشاهد کعالم الامر کما مر والمراد علمه ﷺ بحقیقة الاجرام العلویة

دعوت دینے کے منافی ہے۔ نیز شریعت سے لاعلم ہو کر اس کی طرف دعوت دینا طلب مجہول مطلق کو مستلزم ہے جو کہ عقلاً اور شرعاً محال ہونے کے علاوہ عبث اور غیر مفید ہے۔ پس حضور ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ اپنے رب کے احکام جاننے والے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر عام حاکمیت حاصل ہے۔ آپ بظاہر قضاء، سیاست اور افتاء کے احکام جاری کرتے اور باطن میں خضر رحمۃ اللہ علیہ کی (تکوین میں تصرف کرتے) جیسا کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے اور ظاہر اور باطن کے احکام میں فرق کو علامہ سبکی اور عراقی نے بیان کیا ہے۔ اور علامہ ابی شامہ نے اس فن میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس فرق کے بیان کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے جو شخص تفصیل جاننا چاہے وہ متعلقہ کتب کا مطالعہ کرے۔ اور جن چیزوں کی بصیرت پر آپ کو اپنے رب کی طرف سے یقین ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی نشانیاں...... یعنی حضور ﷺ کو آسمان، ستارے اور ان میں دیگر علامات اور ان پر مقرر فرشتوں سب کی حقیقت اور ان کی تمام تفاصیل کا علم

وانها حادثة مستغن عنها و ما فيها من الملئكته الموكلين بها والكواكب التى خلقت فيها زينة لها و هداية لخلقه و علامات لحكم الهيئة و كذالك الارض التى جعلها الله مقرا لعباده و علمه بما فيها علما اطلع به على حقيقتها و ما اودعه فيها وليست كما تزعم الفلاسفة و اهل الطبيعة من امور مخرومة القواعد كثيرة الفاسد (و خلق الله) اى مخلوقاته التى بثها فيهما و ابدعها و اودعها حكما تحار فيها العقلاء و فى كل شئ له آية تدل على انه الواحد (و تعيين اسمائه الحسنٰى) الدالة على ذاته و بديع صفاته و فى قوله تعيين اشارة انها توقيفية فلا يطلق عليه الا ماورد به اذن شرعى و الكلام عليها مفرد بالتاليف و اجل ما صنف فيها كتاب الامام القرطبى و قيل يصح ان يطلق عليه كل اسم ثبت اتصافه به مما لا يوهم نقصا و قيل يجوز ما كان على سبيل التوصيف والكلام عليه مفصل فى كتب الاصول۔ (وايته الكبرى) ان عجائب مخلوقاته

ہے۔ اسی طرح زمین جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مستقر بنایا ہے۔ حضور ﷺ کو زمین اور زمین میں جو کچھ ہے اس سب کا علم ہے .... اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے اور جو کچھ اس مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے کمالات دیکھے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین حاصل ہوتا ہے ان سب کا علم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی تعین کو جانتے ہیں اور لفظ ''تعین'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اسماء صفات کا اطلاق سماع شرع پر موقوف ہے۔ اس بحث میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقع پر عظیم کتاب امام قرطبی نے لکھی ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جس لفظ میں کوئی نقص نہ ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ جس لفظ میں تعریف کا پہلو ہو اس کا اطلاق جائز ہے۔ اور بحث کا مفصل بیان کتب کلام میں ہے۔ اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ان آیات کبریٰ کا علم ہے جن کا آپ نے شب

الدالة علی عظمته و الکبری بمعنے الظی مما اخبر عنه ﷺ مما شاهده فی نفسه الاسراء کما تقدم (و امور الاخرة) کالحشر والنشر واحوال الوقف والصراط والمیزان والنفخ فی الصور (واشراط الساعة) ای علاماتها الدالة علیها جمع شرط بفتحتین و فی الاساس یقال لا وائل کل شئی اشراقه و منه اشرط الیه رسولا اذا قدمه واشراط الساعة مشهورة والساعة مقدار من الزمان ثم خص بالقیامة و قیل الاشراط تختص بعلاماتها الصغار کما نقله الخطابی عن ابی عبیدة والمشهور شمولها للصغار والکبار کخروج المهدی والدجال (واحوال السعداء والاشقیاء) فی البرزخ والدنیا والاخرة و ما لهم من نقیم و عقاب (و علم ما کان) من احوال الامم السالفة و ما کان فی ابتداء خلق العالم (وما یکون) بعده من الفتن و غیرها کما فی حدیث حذیفة المشهور (و مما لا یعلمه الا بوحی) اعلمه الله به فی المغیبات (فعلی ما تقدم) ای واقع علی اسلوب

معراج مشاہدہ کیا اور ان کی خبر دی اور امور آخرت کا جیسے حشر ونشر اور میدان قیامت، پل صراط اور میزان اور صور پھونکنے کا اور قیامت کی علامات کا..........خواہ وہ چھوٹی علامات ہوں یا بڑی علامات مثلاً مہدی کا ظہور، دجال کا خروج وغیرہ۔ اور نیک اور بد لوگوں کے احوال خواہ دنیا میں ہوں، برزخ میں ہوں یا آخرت میں اور جو ان کو نعمت یا عذاب وغیرہ ملتا ہے ان کا علم، اسی طرح ابتداء خلق کے احوال اور گزشتہ امتوں کے احوال کا علم اور اسی طرح آپ کے بعد (قیامت تک) ہونے والے فتنوں کا علم جیسا کہ حضرت حذیفہ کی حدیث مشہور سے معلوم ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو غیب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا علم دیا ہے۔ پس ان تمام علوم میں آپ وقوع شک سے معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا جو علم دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ نے ان چیزوں کی جو خبر دی ہے اس میں آپ کو کوئی شک واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس علم میں آپ کو کوئی تردد ہے، بلکہ ان تمام علوم میں آپ کو یقین حاصل ہے اور آپ کا دل ان علوم کے

ماتقدم فی جواب اما (من انه) بیان لما تقدم (معصوم فیه) عن الخطاء والشك فی شئی منه (لا یاخذه) ای لا یعرض له ولا یطها علیه (فما اعلم) بالنباء للجھول ای اعلمه الله بوقیة و جود فیه البناء للفاعل ای اعلم به امته (منه) ای مما ذکر (شك ولا ریب) وزدد فی علمه به بل ھوفیه) ای فیما اعلم به علی غایة الیقین والجزر به بلا تردد فعلیه ﷺ مطمئن بعلمه لا یعلق و یضطرب لان اصل مضی الریب الاضطراب کما حققه اھل اللغة۔ (احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۷۰ھ، نسیم الریاض ج۴ ص۶۰۔۶۱)	ساتھ مطمئن ہے۔

اور عبدالحق محدث دہلوی علم "ماکان و مایکون" کے بارے میں لکھتے ہیں:

ھرچہ در دنیاست از زمان آدم تا اوان نفخہ اولی بروے منکشف ساختند تاھمہ احوال را از اول تا آخر معلوم کرد ویار ان خود را نیز از بعضے احوال خبر داد۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوۃ ج۱ ص ۱۴۴)	آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے احوال آپ پر منکشف کر دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ اول سے لے کر اخیر تک آپ کو معلوم ہو گئے اور بعض احوال کی آپ نے اپنے صحابہ کو بھی خبر دی۔

قارئین کرام! ہم نے کثیر تعداد میں دلائل اور حوالے اس لئے پیش کئے ہیں تا کہ آپ پر یہ امر واضح ہو جائے کہ حضور ﷺ کو عالم "ما کان و ما یکون" ماننے والے صرف اعلیٰ

حضرت فاضل بریلوی اور ان کے پیروکار نہیں بلکہ اسلام کے مستند اور اساطین علماء نے حضور ﷺ کے لئے "ما کان و ما یکون" مانا ہے اور ہم نے وہ احادیث بھی پیش کر دی ہیں جن کے تحت علماء اسلام نے حضور کے لئے یہ علم مانا ہے۔ اب حضور کو عالم "ما کان و ما یکون" ماننے اور آپ کے لئے علم "ما کان و ما یکون" ثابت کرنے پر مخالف مذکور کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

اس مقام پر یہ بتلانا ہے کہ علم غیب، عالم غیب، عالم "ما کان و ما یکون" اور علیم بذات الصدور کا مفہوم الگ اور جدا ہے اور اخبار غیب اور انباء غیب مطلع ہونا جدا مفہوم ہے۔ دوسری بات کا آنحضرت ﷺ کے لئے منکر ملحد اور زندیق اور پہلی بات کا مثبت مشرک اور کافر ہے۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، ازالۃ الریب ص ۳۸)

اس عبارت میں مخالف مذکور نے صاف تصریح کر دی ہے: حضور کے لئے "ما کان و ما یکون" ماننا اور ثابت کرنا کفر ہے۔

ہم نے سطور بالا میں جن اساطین اسلام کو پیش کیا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کے لئے علم "ما کان و ما یکون" مانا ہے وہ یہ حضرات ہیں:

(۱) امام مسلم (۲) امام طبرانی (۳) علامہ قسطلانی (۴) علامہ زرقانی (۵) امام قرطبی (۶) علامہ خازن (۷) قاضی مظہری (۸) امام غزالی (۹) حافظ ابن حجر عسقلانی (۱۰) علامہ خرپوتی (۱۱) علامہ آلوسی (۱۲) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۱۳) علامہ سیوطی (۱۴) علامہ قاضی عیاض مالکی (۱۵) علامہ علی قاری (۱۶) علامہ شہاب الدین خفاجی (۱۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

کیا یہ سب علماء اسلام کافر ہیں؟

آج تمام امت مسلمہ کا دامن انہیں علماء کے ساتھ وابستہ ہے اگر بقول مخالف مذکور یہ سب کافر ہیں تو اس امت میں مسلمان کون رہ گیا؟

علم روح اور علوم خمسہ

روح اور امور خمسہ (قیامت، بارش، پیٹ میں کیا ہے، کل کیا ہو گا؟ کون کس جگہ

مرے گا؟) کا علم حضور ﷺ کو دیا گیا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء اسلام کا اختلاف ہے بعض علماء اسلام نے نیک نیتی سے اس علم کو حضور ﷺ کے لئے ثابت نہیں مانا اور اکثر علماء اسلام نے اس علم کو حضور ﷺ کے لئے ثابت مانا ہے۔ علم کلی، کل غیب اور علم "ماکان و ما یکون" کی طرح اس علم کو بھی حضور ﷺ کے لئے ماننا نہ عقیدہ قطعیہ ہے نہ فرض نہ واجب۔ جمہور علماء اہل اسلام حضور ﷺ کے لئے اس علم کو دلائل سے ثابت ہونے کی بناء پر مانتے ہیں ان سے ہمارا اختلاف نہیں ہے۔ ہمارا اختلاف تو ان لوگوں سے ہے جو تنقیص کمالات رسالت کے نشہ میں حضور ﷺ کے لئے اس علم کے ماننے کو غیر اسلامی عقیدہ اور کفر قرار دیتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم آپ کے سامنے مستند علماء اسلام کی چند عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے روح اور علوم خمسہ کا علم حضور ﷺ کے لئے ثابت مانا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے! امام رازی "تفسیر کبیر" میں لکھتے ہیں:

(وثالثها) ان مسئلة الروح يعرفها اصاغر الفلاسفة وار ازل المتكلمين فلو قال الرسول ﷺ انى لا اعرفها لا ورث ذالك ما يوجب التحقير والتفسير فان الجهل بمثل هذه المسئلة يفيه تحقير اى انسان كان فكيف الرسول الذى هو اعلم العلماء و افضل الفضلاء و رابعها انه تعالىٰ قال فى حقه الرحمن علم القران و علمك ما لم كن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما و قال قل رب زدنى علما و قال فى صفة القرآن ولا رطب ولا يابس الا فى كتب مبين و كان عليه السلام يقول ارنا الاشياء كما هى

تیسری بات یہ ہے کہ عام فلاسفہ اور متکلمین بھی مسئلہ روح کو جانتے ہیں۔ پس اگر حضور ﷺ یہ فرمائیں کہ میں روح کو نہیں جانتا تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے اور لوگوں کو آپ سے دور کرنے کا باعث ہے بلکہ روح کے مسئلہ سے لاعلمی تو ایک عام انسان کے لئے بھی حقارت کا سبب ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم اور تمام فضلاء سے بڑھ کر فاضل ہیں انہیں مسئلہ روح کا علم نہ ہو؟ اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "رحمٰن نے قرآن کا علم دیا اور آپ

فمن کان ماله و صفته کیف یلیق به ان یقول انا لا اعرف هذه المسئلة۔ مع انها من المسائل المشهورة المذکورة بین جمهور الخلق بل المختار عندنا انهم سئلوه عن الروح وانه صلی اللہ علیہ وسلم اجاب عنه علیا حسن الوجوه۔ (امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، ج۵ ص ۴۳۴۔۴۳۵)

جو کچھ نہیں جانتے وہ آپ کو بتلا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے'' اور یہ فرمایا کہ ''آپ (اللہ تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما'' اور قرآن کی صفت میں فرمایا: ''ہر خشک وتر چیز کا ذکر قرآن کریم میں ہے'' اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمیں تمام اشیاء کی حقیقت بتلا۔ پس جس شخص کریم کا یہ حال اور یہ شان ہو ان کے بارے میں یہ کیونکر متصور ہوسکتا ہے کہ انہیں روح کا علم نہ ہو جب کہ یہ مسائل مشہورہ میں ہے؟ بلکہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہترین طریقہ سے جواب دیا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

واما الروح التی هی الاصل وهی التی اذا فسدت فسدلها سائر البدن و ذلك سر من اسرار الله و الامور الربانية لا تحتمل العقول وصفها بل تحير فيها عقول اکثر الخلق واما الاوهام والخیالات فقاصرة عنها بالضرورة قصور البصر عن ادراك الاصوات و تزلزل فی

رہی وہ روح جو اصل ہے جس کے فساد سے بدن فاسد ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے اور امور ربانیہ میں سے ہے، عقل اس کے بیان کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ اکثر مخلوق کی عقلیں اس میں حیران ہو جاتی ہیں۔ رہے اوہام اور خیالات تو ان کی رسائی اس سے بہت دور

ذکر مبادی و صفها معاقد العقول المقیدة بالجوهر والعرض المحبوسة فی مضیقها فلا یدرك بالعقل شئی من و صفه بل بنور اخر اعلی و اشرف من الفعل یشرق ذالك النور فی عالم النبوة والولایة نسبة الی العقل نسبة العقل الی الوهم والخیال۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم، ج ۴ ص ۱۱۲)

ہے جیسے آنکھ سے آواز کے ادراک کی رسائی بہت دور ہے اور جو عقول جوہر اور عرض کی قید سے مقید ہیں وہ تو روح کے مبادی کی گراہ بھی نہیں کھول سکتیں، اس لئے عقل سے روح کا علم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا علم ایک اور نور سے حاصل ہوگا جو نور عقل سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور یہ نور صرف عالم نبوت اور رسالت میں ہوتا ہے اور اس کی نسبت عقل کے ساتھ ایسی ہے جیسی عقل کی نسبت وہم اور خیال کے ساتھ۔

اس عبارت میں امام غزالی نے صاف تصریح کر دی ہے کہ روح کا علم صرف نبی یا ولی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

النبی عبارة عن شخص کوشف بحقائق الامور۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم، ج ۳ ص ۲۴

نبی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر تمام حقائق منکشف ہوں۔

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

فلیس لاحد من علماء الدین ان یکشف عن سر الروح وان اطلع علیه۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم، ج ۴ ص ۴۷۹)

علماء دین میں سے اگر کسی پر روح کی حقیقت منکشف ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کو بتلائے۔

نیز امام غزالی فرماتے ہیں:

ولا تظن ان ذالك لم یکن مکشوفا

یہ گمان نہ کرو کہ روح کی حقیقت حضور

لرسول الله ﷺ فان من لم یعرف الروح مکانه لم یعرف نفسه و من لم یعرف نفسه فکیف یعرف الله سبحانه ولا یبعد ان یکون مکشوفا بعض الاولیاء والعلماء۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم بحوالہ الکلمۃ العلیا، ص ۱۱۵)

ﷺ کو معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کو نہیں جانتا وہ اپنے آپ کو نہیں جانتا پہچانتا۔ اور جو اپنے آپ کو نہ پہچانتا ہو وہ اللہ سبحانہ کو کیسے جان سکتا ہے؟ اور یہ بات بعید نہیں کہ بعض اولیاء اور علماء کو بھی روح کا علم ہو۔

اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

عن عبدالله بن بریدة قال لقد قبض النبی ﷺ و ما یعلم الروح و لعل عبدالله هذا یزعم انها یمتنع العلم بها الا و فلم یقبض رسول الله ﷺ حتی علم کل شئی یمکن العلم به کما یدل ما اخرجه الاحمد و الترمذی و قال حدیث صحیح و سئل البخاری عنه فقال حدیث حسن صحیح عن معاذ رضی الله عنه انه علیه الصلوٰة و السلام قال انی قمت من اللیل فصلیت ما قدر لی فنعست فی صلوتی الی ان قال و تجلی لی کل شئی و عرفت۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۱۵ ص ۱۵۴)

عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فوت ہو گئے اور آپ روح کو نہیں جانتے تھے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ غالباً ان صاحب کے نزدیک روح کا علم محال تھا ورنہ جس چیز کا بھی علم ممکن تھا۔ وصال سے پہلے حضور ﷺ کو اس کا علم حاصل ہو گیا جیسا کہ اس بات پر امام احمد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے بھی صحیح کہا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو شب کی نماز میں اونگھ آ گئی...... پھر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ہر چیز منکشف ہو گئی اور میں نے اسے جان لیا۔

علامہ آلوسی نے اس عبارت میں نہ صرف حضور ﷺ کے لئے علم کلی مانا ہے بلکہ روح کے علم کو بھی مانا ہے اور روح کے علم پر استدلال حضور ﷺ کے علم کلی سے ہی کیا ہے۔

اسی طرح علامہ عینی نے بھی حضور ﷺ کے علم کلی سے علم روح پر استدلال کیا ہے۔

قلت جل منصب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ و سید خلقہ ان یکون غیر عالم بالروح و کیف و قد من اللہ علیہ بقولہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

(علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، ج ۲ ص ۲۰۱)

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور تمام کائنات کے سردار ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ ''آپ کو وہ سب کچھ بتلا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے''۔

اور علامہ آلوسی علم قیامت کے بارے میں لکھتے ہیں:

و یجوز ان یکون اللہ تعالیٰ قد اطلع حبیبہ علیہ الصلوۃ والسلام علی وقت قیامھا علی وجہ کامل لکن لا علی وجہ یحاکی علمہ تعالیٰ بہ الا انہ سبحانہ اوجب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کتمہ لحکمۃ و یکون ذالک من خواصہ علیہ الصلوۃ والسلام ولیس عندی ما یفید الجزم بذالک۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۲۱ ص ۱۱۳)

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو وقوع وقت قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو، مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الٰہی کا اشتباہ ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو۔ لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقال بعضھم: لیس فی الآیۃ دلالۃ علی ان اللہ لم یطلع نبیہ علی حقیقۃ الروح بل یحتمل ان یکون ولم یامرہ انہ یطلعھم و قد قالوا فی علم الساعۃ نحو

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن کی کسی آیت میں اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح پر مطلع نہیں کیا، بلکہ جائز ہے کہ آپ کو مطلع

ھذا۔(حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، ج۱۰ص۱۸)

کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور قیامت کے علم میں بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

معتزلہ نے اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار کیا اور "عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا" سے استدلال کیا کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ صرف رسولوں کو دیتا ہے یعنی اولیاء اللہ کو نہیں دیتا۔ علامہ تفتازانی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں غیب سے مراد عام نہیں ہے بلکہ خاص غیب ہے یعنی وقت وقوع قیامت اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو یہ غیب بتلادے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

والجواب ان الغیب ھھنا لیس للعموم بل مطلق او معین ھو وقت وقوع القیٰمۃ بقرینۃ السیاق ولا یبعد ان یطلع علیہ بعض الرسل من الملئکۃ او البشر۔
(علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد ج۲ ص۲۰۵)

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا بشر۔

"عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ" (جن:۲۶) کی تفسیر میں زیادہ تفصیل کے ساتھ یہی تقریر امام رازی (امام فخر الدین متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج۸، ص۲۳۴) اور علامہ خازن (علامہ علاؤ الدین خازن متوفی ۷۴۱ھ، تفسیر خازن، ج۴، ص۳۱۹) نے بھی کی ہے۔

اور ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں:

وقال القرطبی من ادعی علم شیئی منھا غیر مستند الیہ علیہ الصلوۃ والسلام کان کاذبا فی دعواہ۔(ملا علی قاری

امام قرطبی نے کہا، جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کے بغیر امور خمسہ کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ ج ا ص ۶۵)

یہی عبارت علامہ بدرالدین (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، ج ا، ص ۱۳۲) اور علامہ ابن حجر عسقلانی (حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، ج ا، ص ۲۹۰) نے بھی اپنی اپنی شرحوں میں نقل کی ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه ﷺ اوتى علیه الخمس ایضا و علم وقت الساعة والروح وانه امر بکتم ذالك۔ (علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ، ج ۳، ص ۱۶۰)

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کو امور خمسہ کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور یہی بات علامہ سیوطی نے ''شرح الصدور ص ۱۳۳'' میں بیان فرمائی ہے۔

اور علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

و قال بعضهم لیس فی الایة دلالة علی ان الله لم یطلع نبیه علی حقیقة الروح بل یحتمل ان یکون اطلعه و لم یامره ان یطلعهم و قد قالوا فی علم الساعة نحو هذا۔ (شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ، مواہب اللدنیہ مع زرقانی ج ا ص ۲۶۵)

بعض علماء نے بیان فرمایا کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ جائز ہے کہ آپ ﷺ کو مطلع فرمایا اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے بارے میں بھی یہی فرمایا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

و حق آنست که در آیت دلیلے نیست برآنکه حق تعالی مطلع نگر دانیده است حبیب خود را ﷺ بر ماهیت

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع

روح بلکه احتمال دارد که مطلع گردانیده باشد و امر نکرد اورا کہ مطلع گرد اندایں قوم راو بعضی از علماء در علم ساعت نیز ایں معنی گفته اندالی ان قال و مے گوید بنده مسکین خصه الله بنور العلم والیقین و چگونه جرأت کند مومن عارف که نفی علم بحقیقت روح سید المرسلین و امام العارفین ﷺ کند و داده است اورا حق سبحانه علم ذات و صفات خود و فتح کرده بروئے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چه باشد کہ درجب حقیقت جامعه مدی قطره ایست از دریائے از بیضائے فافهم و بالله التوفیق۔

نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے اور بندہ مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور ﷺ سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے؟ وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ﷺ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کئے ہیں ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حقیقت ہے؟ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے؟

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۰۔۴۱)

اللہ اکبر! حضور سید عالم ﷺ کے لئے روح اور امور خمسہ کا علم ماننے والوں میں سے جن چند اساطین اسلام کا آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) امام رازی (۲) امام غزالی (۳) سید محمود آلوسی (۴) حافظ ابن حجر عسقلانی (۵) علامہ سعد الدین تفتازانی (۶) علامہ علاء الدین خازن (۷) حافظ بدر الدین عینی (۸) امام قرطبی (۹) ملا علی قاری (۱۰) علامہ جلال الدین سیوطی (۱۱) علامہ قسطلانی (۱۲) شیخ

عبدالحق محدث دہلوی۔

اب مخالف مذکور بتلائیں یہ محققین اجلہ علماء اسلام ہیں یا خانقاہی مزاج صوفی۔ہم نے عارف صاوتی کے حوالے پیش نہیں کئے کہ آپ کو ساوی نیلی پیلی کہہ کر ان کا مذاق اڑانے کی عادت ہے نہ علامہ اسماعیل حقی صاحب ''روح البیان'' اور صاحب ''عرائس'' کو مشرب صفا سے چڑ ہے اور نہ ''ابریز'' سے سیدی غوث عبدالعزیز دباغ کے حوالے پیش کئے ہیں کہ آپ کہہ دیں گے کہ وہ تو ایک امی بزرگ تھے اور آپ اولیاء اللہ کی عبارات کو سند نہ مان کر اور ان سے اظہار عداوت کر کے ''من عادلی ولیا فقد آذنته بالحرب'' کے بموجب اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کر چکے ہیں۔

بہرحال علم روح اور امور خمسہ کے اثبات کے سلسلہ میں ہم نے جن اسانید اسلام کے حوالے پیش کئے ہیں آپ انہیں کیا کہتے ہیں؟ کافر ومشرک کہتے ہیں، گمراہ اور بے دین کہتے ہیں، زندیق کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟''ازالۃ الریب'' میں آپ اس علم کے اثبات کو کفر کہہ چکے ہیں۔ بتلایئے! اگر یہ سب علماء اسلام کافر ہیں اور ان کے دامن سے وابستہ سارے مسلمان کافر ہیں تو پھر دنیا میں کون مسلمان رہ جائے گا؟

علم الٰہی اور علم رسول میں فرق

اعلیٰ حضرت نے متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی وجوہ سے ہے اور ہر وجہ کے ساتھ پھر غیر متناہی وجوہ کے ساتھ پھر ان میں سے ہر وجہ کے ساتھ پھر غیر متناہی وجوہ کے ساتھ تعلق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مخلوق کے ساتھ متناہی وجوہ کے ساتھ ہے۔ پھر مساوات کا وہم کیسا؟

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد اقمنا الدلائل القاهرة علی ان احاطة علم المخلوق بجمیع المعلومات الالهیة محال قطعا عقلا و سمعا فالوهابیة الذین اذا اسمعوا

ہم دلائل قطعیہ قائم کر آئے ہیں کہ علم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا یقیناً عقل سے بھی باطل اور شرع سے بھی باطل اور وہابیہ وہ کہ جب ائمہ کے پیرووں کو سنتے

اتباع الائمة یثبتون باتباعهم و اتباع القران والحدیث لرسول اللہ ﷺ علم جمیع ما کان و ما یکون من اول یوم الی اخر الایام حکموا علیھم بالشرك والکفر وانھم یدعون مساواة علمه ﷺ لعلم ربه عزوجل خابطون غالطون۔ و ھم بانفسھم فی مھوی الشرك والکفر ساقطون لانھم اذا زعموا فی اثبات ھذا العلم المحدود والمحصور المعدود المساواة مع علم اللہ فقد شھدوا ان علم اللہ تعالٰی لیس الا بھذا القدر القلیل الصغیر الترد الیسیر اذ لوزاد علیه عندھم فالزائد لایساوی الناقص فلم یحکموا بالمساواة لکنھم یحکمون فبعلم اللہ یتھمکون ھی بالنقص علیه یتحکمون۔ قاتلھم اللہ انی یؤفکون نسال اللہ النجاة من الفتون۔

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، الدولۃ المکیہ ص ۴۹ تا ۵۳)

ہیں کہ وہ ائمہ کی پیروی اور قرآن وحدیث کے اتباع سے نبی ﷺ کے لئے روز اول سے روز آخر تک کی تمام گزشتہ وآئندہ باتوں کا علم ثابت کرتے ہیں تو یہ وہابی ان پر شرک وکفر کا حکم لگاتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے علم الٰہی سے علم نبی ﷺ کو برابر کر دیا۔ یہ حکم لگانے والے خود ہی خبط و غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ ہی شرک وکفر کے گڑھے میں گرے ہیں۔ اس لئے کہ جب انہوں نے اس گھڑے ہوئے، حد باندھے ہوئے، گنتی کے علم کے ثابت کرنے میں علم الٰہی سے مساوات ٹھہرا دی تو وہ گواہی دے چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم بس اسی قدر ہے کم چھوٹا قلیل تھوڑا کیونکہ علم الٰہی ان کے نزدیک اس مقدار سے زیادہ ہوتا تو زیادہ کم کے کیسے برابر ہو جاتا؟ تو وہ مساوات کا حکم نہ کرتے۔ لیکن وہ اس کا حکم لگا رہے ہیں تو اللہ ہی کے علم سے ٹھٹھا کر رہے ہیں اور زبردستی اسے ناقص بتا رہے ہیں۔ خدا انہیں مارے، کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ فتنہ سے بچائے۔

اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ خالق اور مخلوق کے علم میں فرق بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

مفصلاً حق کو واضح تر کروں اصل یہ ہے کہ کسی علم کی اللہ عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے۔

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

دوئم: علم کا غنا کہ کسی آلہ وجارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوئم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سبب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر وتبدل، فرق وتفاوت کا امکان نہ ہو۔

ششم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آتیہ موجود ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ جو کسی غیر الٰہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، الصمصام، ص ۶)

علم "ماکان ویکون"، علم کلی، غیب کلی تو بہت دور کی بات ہے اعلیٰ حضرت تو فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کوئی مماثلت نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: ایک ذرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی وجوہ سے ہے واجب وقدیم ہے ممتنع الزوال ہے۔ غیر سے مستغنی ہے، ثابت اور مستمر ہے اور اقصیٰ غایت کمال پر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک ذرہ کے ساتھ بھی متناہی وجوہ سے ہے ممکن اور حادث ہے۔ اس علم کا زوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جائز ہے۔ علم ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دینے کی طرف محتاج ہے۔ اس ذرہ کے علم میں تغیر وتبدل جائز ہے۔ اقصیٰ غایت کمال پر نہیں بلکہ ایک ذرہ کے بھی تمام ذاتیات اعراض، احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، مستقبلہ موجودہ ممکنہ

تمام وجوہ سے آپ کو معلوم نہیں۔

غور فرمائیے! اعلیٰ حضرت تو فرماتے ہیں کہ جیسا کہ علم اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا ہے حضور ﷺ کو ایک ذرہ کا بھی ویسا چھ وجوہ سے علم نہیں۔ بتلائیے! حضور ﷺ کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی کس قدر عظمت وجلالت مان رہے ہیں اس پر بھی مخالفین کی زبانیں یہ کہتے نہیں تھکتیں کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے علم کو ملا دیتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

الشئ المطلق اور مطلق الشئ

مخالف مذکور نے ''اتمام البرہان'' میں مطلق الشئ اور شئ المطلق کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ کیونکہ ہم نے لکھا تھا کہ سرفراز صاحب نے حضور ﷺ سے مطلق الغیب کی نفی کی ہے اور مطلق الشئ کی نفی ایک فرد کی نفی سے بھی ہو جاتی ہے تو کیا آپ کے نزدیک حضور ﷺ کے لئے غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں ہے؟ آیئے دیکھئے! وہ اس اعتراض سے کس طرح جان چھڑاتے ہیں؟

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا کہ حضور ﷺ کے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے، نہ منصب نبوت کے لائق ہے کاش! آپ نے ''شرح تہذیب'' ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی تو آپ کو سمجھا دیتا کہ ''مطلق الشئی یتحقق بتحقق فردٍ ما''۔ سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ہو جائے گا یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لئے غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں۔ (ص ۳۹)

الجواب: بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز تو چالیس سال سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھا پڑھا کر بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کو بفضلہٖ تعالیٰ اب کوئی کتاب کسی محقق دیوبندی عالم سے بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی بریلوی سے اور پھر مبتدی طالب علم سے پڑھے مگر معاف رکھنا۔ آپ خود علم سے بے بہرہ ہیں اور ہمہ دانی کے جہل مرکب کا شکار ہیں زیادہ مناسب ہے کہ آپ کسی دیوبندی عالم سے بھی کچھ عرصہ استفادہ کریں تا کہ آپ کو علم سے بھی کوئی حصہ حاصل ہو جائے۔ آپ کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ ایک ہے ''الغیب

المطلق'' اور ایک ہے ''مطلق الغیب''۔ بالفاظ دیگر ایک ہے ''الشئ المطلق'' اور ایک ہے ''مطلق الشئ'' ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ''مطلق الشئ'' کا تحقق تو ایک فرد کے تحقق سے بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن ''الشي المطلق'' عام ہے۔ وہ اپنے جملہ افراد کے ایک ایک فرد کے لئے عام ہے اس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے پورا نہیں ہوتا اس کا تحقق جبھی ہوگا جب اس کے تمام افراد متحقق ہو جائیں۔ آپ اپنے مطالعہ کو ذرا وسعت دیں اور ''شرح تہذیب'' سے آگے نکل کر اور علمی کتابیں بھی دیکھیں۔ (محمد سرفراز خاں صفدر۔ اتمام البرہان ص ۲۸)

سرفراز صاحب! آپ نے واقعی چالیس سال مختلف علوم وفنون پڑھائے ہوں گے۔ لیکن سخت حیرت ہے کہ مسلسل چالیس سال پڑھانے کے باوجود آپ علم کے ابتدائی اصطلاحات سے ہنوز ناواقف ہیں اور ہمہ دانی کا دعویٰ رکھتے ہیں اور خود کو استفادہ سے مستغنی سمجھتے ہیں (نجانے جہل مرکب اور کس چیز کا نام ہے؟) خدا جانے آپ چالیس سال تک کیا پڑھاتے رہے ہیں؟ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ نے علوم وفنون کو سمجھ کر نہیں پڑھا ورنہ درس نظامی کا ایک عامی فارغ التحصیل بھی ''الشئ المطلق'' کی تعریف میں ایسی فاش غلطی نہیں کر سکتا جیسی آپ نے اس عبارت میں کی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ:

ایک ہے ''الشئ المطلق'' اور ایک ہے ''مطلق الشئ'' ان دونوں میں بڑا فرق ہے ''مطلق الشئ'' کا تحقق تو ایک فرد کے تحقق سے بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن ''الشئ المطلق'' عام ہے وہ اپنے جملہ افراد کے ایک ایک فرد کے لئے عام ہے اس کا تحقق جبھی ہوگا جب اس کے تمام افراد متحقق ہو جائیں (اتمام البرہان ص ۲۹)۔ سو یہ آپ نے بالکل غلط لکھا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے! سید میر زاہد ہروی ''مطلق الشئ اور الشئ المطلق'' کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الشئی المطلق و هو بهذا الاعتبار تحقق بتحقق فرد ما لا ينتفى الا بانتفاء جميع الافراد تحقيقا للعموم۔	الشئ المطلق اس اعتبار سے ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کی نفی تمام افراد کی نفی سے ہوتی ہے۔

(سید میر زاہد ہروی، میر زاہد عامہ ص ۸۲۔۱۱۰۔۱۰۱)

نیز میر زاہد ہروی ''مطلق الشئ'' اور ''الشئ المطلق'' کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحقیقه ان المطلق یوخذ علی وجهین ان یوخذ من حیث هو ولا یلاحظ مع الاطلاق وح یصح اسناد احکام الافراد الیه لا تحاده معها ذاتا و وجودا و هو بهذا الاعتبار یتحقق بتحقق فردما و ینتفی بانتفائه و هو القضیة المهملة اذ موجبتها تصدق بصدق الجزئیة وسالبتها تصدق بصدقالجزئیة والثانی ان یوخذ من حیث انه مطلق و یلاحظ معه الاطلاق وح لا یصح اسناد احکام الافراد الیه لان الحیثیة الاطلاقیة تابی عنه وهو بهذا الاعتبار یتحقق بتحقق فردما ولا ینتفی بانتفائه بل بانتفاء جمیع الافراد وهو موضوع القضیة الطبیعة۔

(سید میر زاہد ہروی، میر زاہد علی ملا جلال، ص ۱۰۰۔۱۰۱)

تحقیق یہ ہے کہ مطلق کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ شئ کو ''من حیث'' ہو لحاظ کیا جائے اور اطلاق کو اس کی جز نہ بنایا جائے (یعنی مطلق الشئ) اور اس وقت کی طرف افراد کے احکام کی نسبت صحیح ہوتی ہے کیونکہ اس وقت دو افراد کے ساتھ ذاتا اور وجوداً متحد ہوتا ہے اور (مطلق الشئ) ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جاتا ہے اور ایک فرد کی نفی سے منتفی ہو جاتا ہے اور (مطلق الشئ) قضیہ مہملہ کا موضوع ہے کیونکہ جزئیہ کے ثبوت سے بموجبہ جزئیہ صادق ہو جاتا ہے اور جزئیہ کے سلب سے سالبہ جزئیہ صادق ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم ہے کہ شئ کو من حیث اطلاق لحاظ کیا جائے اور اطلاق کو اس میں ملحوظ رکھا جائے (یعنی الشئ المطلق) اور اس وقت افراد کے احکام کی نسبت اس کی طرف صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اطلاق کی قید اس کے منافی ہے (اور الشئ المطلق) ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جاتا ہے اور ایک فرد کی نفی سے منتفی نہیں

ہوتا بلکہ جمیع افراد کے انتفاء سے منتفی ہوتا
ہے اور یہ قضیہ طبیعہ کا موضوع ہے۔

اور وحید الزمان "الشئ المطلق" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وھو بھذا الاعتبار یتحقق بتحقق فرد ما ولا ینتفی بانتفائه بل بانتفاء جمیع الافراد کما صرح به المحشی فی حاشیته علی شرح التھذیب الجلالی وحینئذ ما تو ھم انتحقق الشئ المطلق یکون بتحقق جمیع الافراد باطل لاینبغی ان یلتفت الیه۔

(وحید الزمان، شرح امور عامہ، ص ۴۵)

اور (الشئ المطلق) اس اعتبار سے ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جاتا ہے اور ایک فرد کی نفی سے منتفی نہیں ہوتا جیسا کہ خود محشی (میرزاہد ہروی) نے اس کی تشریح "شرح تھذیب الجلالی" کے حاشیہ پر کی ہے اور اس وقت ظاہر ہو گیا کہ یہ وہم کرنا کہ "الشئ المطلق"، جمیع افراد کے تحقق سے متحقق ہوتا ہے، باطل ہے اس کی طرف بالکل التفات نہیں کرنا چاہیے۔

اور علامہ فضل حق خیر آبادی "مطلق الشئ" اور "الشئ المطلق" کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الاول یتحقق بتحقق فرد ما و ینتفی بانتفاء فردما الثانی یتحقق بتحقق فردما و ینتفی بانتفاء جمیع الافراد لا بانتفاء فرد۔

(علامہ فضل حق خیر آبادی، حاشیہ فضل حق خیر آبادی علی القاضی، ص ۱۴۸)

"مطلق الشئ" ایک فرد کے وجود سے موجود ہوتا ہے اور ایک فرد کی نفی سے منتفی ہو جاتا ہے۔ اور "الشئ المطلق" ایک فرد کے موجود ہونے سے موجود اور ایک فرد کی نفی سے منتفی نہیں ہوتا بلکہ جمیع افراد کے انتفاء سے منتفی ہوتا ہے۔

امید ہے کہ مخالف مذکوران حوالوں سے پتہ چل گیا ہوگا کہ "مطلق الشئ" اور "الشئ المطلق" میں کیا فرق ہوتا ہے؟ ہم سے للہی بغض ہے تو ان کے مسلک کے علماء میں بھی ایسے لوگ ابھی موجود ہیں جو منطقی اصطلاحات اور علوم وفنون پر اچھی خاصی نظر رکھتے ہیں ان سے

ہی یہ مسئلہ معلوم کرلیں۔ غرور کوئی اچھی چیز نہیں ہے اور علم کی طلب کوئی بری بات نہیں آپ اگر بوڑھے ہو گئے ہیں تو کیا ہوا علم تو مہد سے لے کر لحد تک حاصل کیا جاتا ہے۔

مخالف مذکور نے لکھا ہے کہ اپنے لائق اور کسی کہنہ مشق استاذ سے دریافت فرمالیں کہ کلی غیب جملہ کے ساتھ جو لفظ مطلق بولا جاتا ہے اس سے "الغیب المطلق" مراد ہوتی ہے یا "مطلق الغیب"۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، اتمام البرہان، ص۲۹)

مخالف مذکور یہ بتلانے کے در پے ہیں کہ "تنقید متین" میں جو انہوں نے لکھا تھا کہ حضور کے لئے مطلق غیب ثابت نہیں ہے اس سے ان کی مراد "الغیب المطلق" ہے۔ اور ان کے باطل زعم کے مطابق الغیب المطلق وہ ہے جس کا تحقق جمیع افراد کے تحقق سے ہو اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیب کے جمیع افراد ثابت نہیں۔ لیکن قارئین کرام پر واضح ہو چکا ہے کہ مخالف مذکور کی یہ تقریر "بناء الفاسد علی الفاسد" ہے کیونکہ انہوں نے "الغیب المطلق" کا معنی یہ سمجھا تھا کہ اس کا تحقق جمیع افراد کے تحقق سے ہوتا ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے، بلکہ "الغیب المطلق" کا تحقق ایک فرد کے تحقق سے ہوگا اور اس کی نفی جمیع افراد سے ہوگی جیسا کہ متعدد حوالوں سے گزر چکا ہے اور سرفراز صاحب جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے "الغیب المطلق" منفی ہے اور "الغیب المطلق" کی نفی جبھی ہوگی جب اس کے تمام افراد منفی ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (العیاذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیب کے جمیع افراد منفی ہیں اور آپ کے لئے غیب کا کوئی فرد ثابت نہیں اور یہ صریح کفر ہے "کذالك العذاب والعذاب الاخرة اکبر لو کانوا یعلمون" علوم وفنون کو اچھی طرح پڑھے بغیر ان کی اصطلاحات میں گفتگو کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی علم کی عظمتوں کے جتنے پہلے گوشۂ خفاء میں تھے۔ بحمدہ تعالیٰ ہم نے اجاگر کر دیئے ہیں۔ انصاف پسند اور اہل دل کے لئے اس میں بہت وافر مواد موجود ہے۔ اور کج فہم کے لئے دفتر بھی ناکافی ہے۔

☆☆☆☆☆

قدرت

خلق اور کسب

بندہ جس فعل کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے عام ازیں کہ وہ فعل امور عادیہ سے ہو (جن کو ''ماتحت الاسباب ای العادیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں) یا وہ فعل امور غیر عادیہ سے ہو (جس کو ''مافوق الاسباب العادیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں) بندہ کے اس ارادہ کو کسب اور اس ارادہ کے بعد جو اللہ تعالیٰ اس ارادہ کے مطابق فعل پیدا کرتا ہے اس کو خلق کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

لما ثبت بالبرهان ان الخالق هو الله تعالیٰ و بالضرورة ان لقدرة العبد ارادته مدخلا فی بعض الافعال کحرکة البطش دون البعض کحرکة الارتعاش احتجنا فی التفصی عن هذا المضیق الی القول بان الله خالق والعبد کاسب و تحقیقه ان صرف العبد قدرته وارادته الی الفعل کسب و ایجاد الله تعالیٰ الفعل عقیب ذالك خلق والمقدور واحد داخل تحت قدرتین لکن بجهتین مختلفین فالفعل مقدور الله بجهة الایجاد و مقدور العبد بجهة الکسب۔

(علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح

جب دلیل سے ثابت ہو چکا کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ بعض افعال میں بندہ کی قدرت اور اس کے ارادہ کا دخل ہوتا ہے اور بعض میں ایسی جیسے کسی چیز کو پکڑنے والی کی حرکت اور رعشہ والے کی حرکت اس اشکال سے چھٹکارے کے لئے۔ ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی فعل کی طرف بندہ کا اپنی قدرت اور ارادہ کا صرف کرنا کسب ہے اور اس کے ارادہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو پیدا کرنا خلق ہے اور فعل واحد دو قدرتوں کے ساتھ متعلق ہو کر مقدور ہے۔ لیکن ان کی جہتیں مختلف ہیں۔ پس وہ فعل

عقائد نسفی ص ۶۵-۶۶) واحد اللہ تعالیٰ کا بلحاظ ایجاد مقدور ہے اور بلحاظ کسب بندہ کا مقدور ہے۔ بلحاظ کسب بندہ کا مقدور ہے۔

اور علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں:

عند الحنفية الكسب صرف القدرة المخلوقة إلى القصد المصمم الى الفعل فلما تاثير فی القصد المذكور و تخليق الله سبحانه الفعل المقصود عند ذلك۔
(علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت ص ۳۰)

احناف کے نزدیک قدرت مخلوقہ کو فعل کے قصد مصمم کی طرح خرچ کرنا کسب ہے۔ پس اس قدرت مذکورہ کی تاثیر اس قصد میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ اس قصد کے بعد فعل پیدا کر دیتا ہے۔

علامہ تفتازانی اور علامہ محب اللہ بہاری کی ان عبارات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ کسب صرف بندہ کے قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ جب قارئین کرام پر کسب کی حقیقت واضح ہو گئی تو اب مخالف مذکور کا یہ قول قطعاً باطل قرار پایا۔ جس کو انہوں نے ''شرح عقائد'' کی اس عبارت سے نقل کیا ہے جس کے ضعف کی طرف خود شارح رحمہ اللہ نے اشارہ فرما دیا ہے۔

مخالف مذکور لکھتے ہیں:

ان الكسب واقع بآلة والخلق بلا آلة۔
(شرح عقائد ص ۶۶)

کسب آلہ سے واقع ہوتا ہے اور خلق کا وقوع آلہ کے بغیر ہوتا ہے۔

آلہ ظاہری ہو جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء یا باطنی ہو جیسے قلب اور عقل وغیرہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسب سبب اور آلہ کا محتاج ہوتا ہے اور خلق کے لئے سبب اور آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ الغرض جس چیز کو وہ ''ماتحت الاسباب'' سے تعبیر کرتے ہیں وہی کسب کہلاتی ہے کا اقرار خود مولف مذکور کو ہے۔ ان کی علمی استعداد اور قابلیت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ خلق کی تعبیر کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ''ماتحت الاسباب'' اور ''مافوق الاسباب'' کے الفاظ سے بھاگتے ہیں۔ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ (المدثر: 50-51)

ایک اور فرق یہ بیان کیا ہے:

والکسب لا یصح انفراد القادر به والخلق یصح۔ (شرح عقائد ص ۲۶ محمد سرفراز خان صفدر، اتمام البرہان، ص ۳۷۔۳۸)	کسب میں اس پر قدرت رکھنے والے کا انفرادو استقلال صحیح نہیں ہے اور خلق میں صحیح ہے۔

مخالف مذکور نے کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے جو یہ صاف ستھری عبارت لکھی ہے یہ قطعاً غلط باطل اور مردود ہے، اولاً اس لئے کہ کسب کی ان تعریفوں کی شرح میں علامہ پرہاروی لکھتے ہیں:

فیه ایماء الی ان هذه الفروق غیر وافیة بالافصاح عن التحقیق۔ (علامہ عبدالعزیز پرہاروی متوفی ۱۲۳۹ھ، نبراس ص ۲۷۷)	مصنف کے قول (و لهم فی الفرق بینهما عبارات) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فرق تحقیق سے خالی ہیں۔

کسب کی پہلی تعریف جو اعضاء اور آلہ کی حرکت سے کی گئی ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ ہاتھ پاؤں کا ہونا یا آلہ خارجیہ کو حرکت میں دینا یہ بھی تو ایک فعل ہے اور تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے ہاتھ پاؤں ہلانے یا آلہ کو حرکت لانے کو کسب مان کر بندہ کا مقدور ماننا بعینہ معتزلہ کا مذہب ہے (نعوذ باللہ من ذالك) اس لئے کسب کی صحیح تعریف وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے یعنی بندہ کا قصد کرنا جب بندہ ہاتھ پاؤں یا آلہ کو حرکت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پاؤں اور آلہ میں وہ حرکت پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسری تعریف جس میں یہ کہا گیا کہ کسب میں فاعل منفرد نہیں ہے اور خلق میں منفرد ہے، اس لئے غلط ہے کہ کاسب کے فعل سے کوئی اثر مرتب ہوگا یا نہیں؟ اگر اثر مرتب ہوگیا تو یہ خلق ہے۔ لہٰذا خلاف مفروض لازم آیا اور اگر کاسب کے فعل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا تو جبر لازم آ گیا۔ فلہٰذا یہ تعریف جبر وقدر کے درمیان دائر ہونے کی وجہ سے غلط اور مردود ہے۔ ثانیاً: ان تعریفوں میں کہیں بھی ماتحت الاسباب یا مافوق الاسباب کا ذکر نہیں۔ لہٰذا مخالف مذکور کا کہنا کہ ''الغرض جس چیز کو وہ ماتحت الاسباب سے تعبیر کرتے ہیں وہی کسب کہلاتی ہے''۔ (اتمام البرہان ص ۳۷۔۳۸) دروغ اور افتراء کے سوا کچھ نہیں۔ ثالثاً: ہمارے بارے میں یہ

لکھنا کہ وہ کسب اور خلق کی تعبیر کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے الفاظ سے گھبراتے ہیں۔ (اتمام البرہان ص ۳۸)

یہ بھی حسب عادت افتراء ہے۔ ''توضیح البیان'' میں مذکور ہے۔ کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء واولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ ثالثاً: یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو مولوی سرفراز صاحب نے سمجھا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ مخلوق کی قدرت صرف ماتحت الاسباب العادیہ پر ہوتی ہے تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۳۴)

اس عبارت سے سرفراز صاحب کے کذب کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ''توضیح البیان'' میں ہم نے کسب کو عام رکھا ہے خواہ اس کا تعلق افعال عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے اور یہ عموم ہم نے متکلمین کی عبارات میں فعل کو عام رکھنے سے مراد لیا ہے اور اس پر صریح عبارت بھی ان شاء اللہ ہم پیش کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ماتحت الاسباب سے مراد ماتحت الاسباب العادیہ ہے اور مافوق الاسباب سے مراد مافوق الاسباب العادیہ ہے کیونکہ حرف اور لغت میں جب سبب کو مطلقاً بولا جائے گا تو اس سے سبب عادی ہی مراد ہوگا۔ اگر مخالف مذکور نے اس کے علاوہ کچھ اور سمجھا ہے تو انہیں اپنی اصلاح کر لینی چاہئے۔ اس لئے ماتحت الاسباب سے مراد ماتحت الاسباب العادیہ اور مافوق الاسباب سے مراد مافوق الاسباب العادیہ مراد ہیں وایضاً ''لا مشاحته فی الاصطلاح فعل مافوق الاسباب'' سے مراد یہ بالکل نہیں ہے کہ اس کے اوپر مطلقاً کوئی سبب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کا تعلق عام اسباب سے نہیں ہے۔

امور عادیہ اور غیر عادیہ

علاج اور معالجہ عادۃً سبب ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی حکیم یا ڈاکٹر سے اپنے زخم کا علاج کراتا ہے تو یہ امور عادیہ اور ماتحت الاسباب العادیہ ہیں اگر کوئی شخص لعاب دہن لگا کر کسی کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگا دے یا لعاب دہن سے کسی کی دکھتی ہوئی آنکھ ٹھیک کر دے یا محض پھونک

سے کسی کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی یا ٹانگ جوڑ دے یا لعاب دہن سے کسی کی زہر خوردہ ایڑی ٹھیک کر دے تو یہ اسباب امور غیر عادیہ میں سے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لعاب دہن وغیرہ ان چیزوں کو ٹھیک کرنے کے لئے سبب ہیں۔ لیکن عادی نہیں ہیں اس لئے یہ تمام امور مافوق الاسباب العادیہ کے تحت درج ہوں گے۔ اس لئے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نکلی ہوئی آنکھ لے کر آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن لگا کر اسے ٹھیک کر دینا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا اپنی پنڈلی اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے پھونک اور لعاب دہن لگا کر ٹھیک کر دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زہر خوردہ ایڑی کو ٹھیک کر دینا مافوق الاسباب (العادیہ) امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت اور آپ کی اعانت ہے۔

''توضیح البیان'' میں ان تمام امور کے حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں۔

باقی یہ کہنا کہ ''حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس لئے تو ہرگز حاضر نہیں ہوتے تھے کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ ان کو شفاء دے سکتے تھے اور دے دیتے تھے۔ (محمد سرفراز خاں صفدر، اتمام البرہان ص ۴۵)

مخالف مذکور اپنے سوقیانہ الفاظ سے جس قدر چاہیں سرکار کی شان کم کریں سرکار کا مقام آپ کے ان الفاظ سے کم نہیں ہوگا۔

ورفعنا لك ذكرك کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا

مخالف مذکور کا یہ قول گستاخانہ محض ایک جہالت آمیز مغالطہ ہے۔ ظاہر ہے کہ خلق شفاء صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیا امور عادیہ میں لوگ اطباء کے پاس یہ عقیدہ لے کر جاتے ہیں کہ وہ ان میں شفاء پیدا کر دیں گے یا شفاء پیدا کر سکتے ہیں؟ ہر عقل مند مسلمان (بشرطیکہ عقل مند ہو) یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دواؤں میں عادۃً اثر رکھا ہے۔ اس لئے وہ اطباء سے حصول شفاء کے لئے دوا لے کر کھاتے ہیں حصول مرض کے لئے کوئی دوا نہیں لیتا حالانکہ سب سمجھتے ہیں کہ اطباء محض شفاء کا واسطہ ہیں۔ دراصل خالق شفاء صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خالق شفاء اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تھے۔ لیکن طلب شفاء کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتے تھے۔ آپ ہی بتایئے کہ قتادہ بن نعمان اپنی نکلی ہوئی آنکھ لے کر، سلمہ بن اکوع اپنی ٹوٹی ہوئی پنڈلی لے کر اور رافع بن خدیج اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیا لینے گئے تھے؟

ایک دفعہ پھر اپنی اس توہین آمیز عبارت پر غور کیجئے۔

تمہیں سوچو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس لئے تو ہرگز حاضر نہیں ہوتے تھے کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ ان کو شفاء دے سکتے تھے اور دے دیتے تھے"۔

اور اگر ہو سکے تو بارگاہ رسالت میں اس زبان درازی پر توبہ کیجئے۔ اگرچہ توہین رسالت جو آپ کو معنوی ورثہ میں ملی ہے اس سے یہ امید تو نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ یہ سوچیں کہ خلق اور ایجاد کی قید لگائے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً حصول شفاء کی نفی کرنا اور اس انداز تخاطب سے کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے تو پھر کیا ہوگا؟ جن کی آواز پر آواز اونچی کرنے سے عمر بھر کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ جن کے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی ناگواری ہو تو ایمان جاتا رہتا ہے۔ ان کی شان میں ایسی زبان درازی؟

کاش کہ آپ غرور وتکبر کو چھوڑ کر توبہ کر لیں۔

مری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا تو مرتبہ ہی الگ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے لگے ہوئے لباس سے بھی صحابہ شفاء طلب کرنے آتے تھے۔ (توضیح البیان، ص ۵۲، طبع سوم)

پھر عام طور پر لباس کا دھوون، بال کی ڈبیا کا دھوون شفاء کا سبب نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس اور بال کی ڈبیا کے دھوون کا سبب شفاء ہونا کوئی عادی سبب نہیں ہے۔ یہ سبب امور غیر عادیہ تھے۔ اور ان سے شفاء کا حصول استمداد اور امداد یہ سب امور مافوق الاسباب العادیہ کے قبیل سے ہیں۔

باقی یہ کہنا بے کار ہے کہ ان چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نسبت کو بھی ملحوظ رکھیے۔ جناب اس مبارک نسبت ہی کی وجہ سے تو یہ چیزیں خلاف عادت شفاء دے رہی ہیں۔

صاحب الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں صاحب معنی کو بس ایک لفظ کافی ہو گیا

گھبرائیے نہیں! امور مافوق الاسباب العادیہ میں امداد اور استمداد پر جب ہم آپ کے گھر کے حوالہ پیش کریں گے تو طبیعت بالکل ملین ہو کر صاف ہو جائے گی۔ اور ان شاء اللہ کسی اور مسہل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

امور غیر عادیہ میں کسب کا دخل

ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا تھا کہ امور غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب العادیہ میں انبیاء علیہم السلام کے کسب کا دخل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر اب ہم آپ کے سامنے اساطین علماء اسلام کی عبارت پیش کرتے ہیں:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان النبوة عبارة عما یختص به النبی و یفارقه به غیرہ و ھو یختص بانواع من الخواص احدھا انه یعرف حقائق الامور المتعلقة بالله و صفاته والملائکة والدار الاخرة لا کما یعلمه غیرہ بل مخالفا له بکثرة المعلومات وبزیادة الیقین والتحقیق والکشف والثانی ان له فی نفسه صفة بھا تتم له الافعال الخارقة للعادات کما ان لنا صفة بھا تتم الحرکات المقرونة بارادتنا و باختیارنا وھی القدرة وان کانت القدرة والمقدور جمیعا من

نبی جن امور میں غیر نبی سے ممتاز ہوتے ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ اول: یہ کہ نبی کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے متعلق تمام حقائق کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں اور قیامت کا یہ علم عام لوگوں کے علم کی طرح نہیں ہوتا بلکہ کثرت معلومات، زیادتی یقین اور تحقیق اور کشف کی وجہ سے عام لوگوں کے مغائر ہوتا ہے۔ ثانی: یہ کہ نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ خلاف عادت (امور غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب العادیہ) کام کر لیتا ہے جیسا کہ ہمیں ایک صفت حاصل

فعل الله تعالی۔ والثالث ان له صفة بها یبصر الملائکة و یشاهد هم کما ان للبصیر صفة بها یفارق الاعمی حتی یدرك بها المبصرات۔ والرابع ان له صفة بها یدرك ما سیکون فی الغیب اما فی الیقظة او فی المنام اذ بها یطالع اللوح المحفوظ فیری ما فیه من الغیب فهذه کمالات و صفات یعلم ثبوتها للانبیاء۔ (امام محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء العلوم، ج ۲، ص ۱۸۹۔۱۹۰)

ہے جس سے ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے حرکات کرتے ہیں اور اسی کو قدرت کہتے ہیں۔ اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں (یعنی کسب بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور کسب کے بعد جو فعل واقع ہوتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کردہ ہے)۔ ثالث: یہ کہ نبی کو ایک صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ ملائکہ کا مشاہدہ کرتا ہے جیسے بصیر کو ایک صفت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نابینا سے ممتاز ہے اور مبصرات کو دیکھ لیتا ہے۔ رابع: یہ کہ نبی کو ایک صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں واقع ہونے والے امور غیب نیند یا بیداری میں جان لیتا ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور اس میں غیب کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ وہ صفات اور کمالات ہیں جن کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے لئے معلوم ہے۔

امام غزالی نے انبیاء علیہم السلام کی جو چار صفات بیان کی ہیں ان میں سے دوسری قسم میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ امور غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب العادیہ یا افعال خارقہ للعادات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں ہوتے ہیں اور وہ ان کا کسب کرتے ہیں۔ جس طرح عام افعال عادیہ کا ہم کسب کرتے ہیں۔ اسی طرح افعال غیر عادیہ کا کسب انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔

اس موضوع پر حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وله صفة تتم له بها الافعال الخارقة

نبی کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جس سے

للعادات كالصفة التى بها تتم لغيره الحركات الاختيارية (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۱)

وہ افعال غیر عادیہ کر لیتا ہے جیسے غیر نبی کو ایک صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ حرکات اختیاریہ کرتا ہے۔

اور امام عبدالوہاب شعرانی (1) فرماتے ہیں:

واعلم يا اخى ان خرق العوائد يكون على وجوه كثيرة و ليس مرادنا هنا الا خرق العادة من ثبتت استقامته على الشرع المحمدى والا فهو مكر و استدراج من حيث لا يشعر صاحبه و قد ذكر الشيخ فى الباب السادس و ثمانين مأة ان من الخوارق ما يكون عن قوى نفسيه و ذالك ان اجرام العالم تنفعل للهم النفسيه الى ان قال و داره كلها تحت قدرة المخلوق يجعل الله تعالى قال ولا يكون خرق العادة على وجه الكرامت الالمن خرق العادة من نفسها باخراجها عن مالوفها الى الانقياد للشرع فى كل حركة و سكون۔ (علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ،

اے بھائی! اس بات کو جان لو کہ افعال غیر عادیہ کئی قسم کے ہیں اور یہاں پر ہماری مراد اس شخص کے افعال غیر عادیہ ہیں جو شرع محمدی پر مستقیم ہو ورنہ وہ مکر اور استدراج ہے جس کا اس کو خود علم نہیں ہوتا۔ اور شیخ محی الدین ابن عربی نے "فتوحات" کے باب نمبر ۱۷۶ میں ذکر کیا ہے کہ افعال غیر عادیہ کا ظہور قوی نفسیہ سے ہوتا ہے کیونکہ عالم کے تمام اجسام ان کی ہمت نفسیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور یہ تمام افعال غیر عادیہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے مخلوق (2) کی قدرت میں ہوتے ہیں لیکن افعال غیر عادیہ بطریق کرامت صرف ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جو بطور خلاف عادت اپنی طبیعت کو شریعت کے موافق ڈھال لیتے ہیں اور اپنی ہر حرکت اور

1۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں انور کشمیری نے لکھا ہے کہ انہوں نے جاگتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے "بخاری" پڑھی ہے۔

2۔ یہاں مخلوق سے مراد تمام مخلوق نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو مختلف حیلوں اور ریاضت سے افعال خارقہ پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔ شیخ نے ان کی تفصیل ذکر کی ہے، ہم نے اختصاراً اس کو ترک کر دیا۔ سعیدی

(الیواقیت والجواہر ج ۱، ص ۱۵۹) سکون میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی کی اس عبارت میں واضح تصریح موجود ہے کہ جو لوگ بطور خلاف عادت اپنی طبیعت شرع کے موافق کر لیتے ہیں اور ان کا ہر فعل شرع کے مطابق ہوتا ہے ان کو افعال غیر عادیہ پر قدرت اور اختیارت ہوتا ہے اور یہ مقدس گروہ یا انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے یا اولیاء کرام کا۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام افعال غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب العادیہ کا کسب کرتے ہیں۔ وھٰذا ھو المطلوب۔

اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

وقد فرق الائمة بین المعجزة والکرامة بفروق کثیرة غیر ما ذکرنا فقال بعضهم من الفرق بینهما المعجزة تقع عند قصد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتحدیه واما الکرامة فقد تقع من غیر قصد الولی و قال بعضهم یجوز ان تقع الکرامة ایضاً بقصد الولی وانما الفرق الصحیح بینهما ان المعجزة مع التحدی والکرامة لایتحدی بها الولی۔

(امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، ج ۱، ص ۱۶۱)

ائمہ مسلمین نے معجزہ اور کرامت میں کئی اور وجہ سے بھی فرق بیان کیا ہے جنہیں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ بعض ائمہ نے کہا کہ معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کے قصد (کسب) اور اس کے چیلنج سے واقع ہوتا ہے اور کرامت کبھی ولی کے قصد (کسب) کے بغیر بھی واقع ہوتی ہے اور بعض ائمہ نے یہ کہا کہ جائز ہے کہ کرامت بھی ولی کے قصد (کسب) سے واقع ہو اور ان دونوں کے درمیان فرق صحیح یہ ہے کہ معجزہ کے ساتھ نبی چیلنج بھی کرتا ہے اور ولی نہیں کرتا (یعنی قصد یا کسب سے دونوں واقع ہوتے ہیں)۔

امام غزالی، علامہ ابن حجر عسقلانی، محی الدین ابن عربی اور علامہ شعرانی کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ افعال غیر عادیہ کو نبی اور ولی اپنے کسب اور قصد سے کرتے ہیں اور کرامت اور معجزہ میں بھی ولی اور نبی کے کسب کا دخل ہوتا ہے اور ولی اور نبی کے کسب کے

بعد اللہ تعالیٰ اس غیر عادی فعل کو پیدا فرماتا ہے۔

اساطین ائمہ اسلام کی تصریحات کے بعد اب مخالف مذکور کی سنیئے لکھتے ہیں:

اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے معجزہ ہو یا کرامت امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس میں نہ تو اختلاف ہے نہ اختلاف کی گنجائش ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں نبی اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بہ خلاف امور عادیہ کے کہ ان میں بندہ کا اختیار ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا۔ مولف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل حق معجزہ کو خدا تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ دہی کے مرتکب ہیں یا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداحۃً باطل ہے، خالص جہالت اور علم وبصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی ہے۔ (محمد سرفراز خان صفدر، اتمام البرہان، ص ۴۹۔۵۰)

اب سوال یہ کہ دھوکہ دہی، خالص جہالت اور علم وبصیرت سے محرومی کے یہ کلمات صرف ہمارے ساتھ مختص ہیں یا ان تبرکات میں سے کچھ حصہ امام غزالی، حافظ ابن حجر عسقلانی، محی الدین ابن عربی اور علامہ شعرانی کو بھی ملے گا؟

اس بحث میں مخالف مذکور نے علامہ دوانی کا حوالہ پیش کیا ہے اس میں صرف یہ ذکر ہے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے نبی کے کسب کی نفی نہیں ہے جو ہمیں مضر ہو۔ یہی حال ''شرح مواقف'' کے حوالہ کا ہے بلکہ وہ انہیں مہنگا پڑے گا۔ (جیسا کہ عنقریب قارئین پر واضح ہو جائے گا) اسی طرح انہوں نے ''شفاء'' کا حوالہ پیش کیا ہے۔ لیکن اس میں بھی کسب کی نفی نہیں ہے صرف یہ مذکور ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور یہ نزاعی بات نہیں ہے۔ نزاع اور اختلاف اس میں ہے کہ نبی کے کسب اور قصد کا معجزہ میں دخل ہے یا نہیں؟ البتہ شیخ عبدالحق کا ''مدارج النبوۃ'' سے اور انہیں کا حوالہ ''شرح فتوح الغیب'' سے پیش کیا ہے جس میں معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی سے کسب کی نفی کی گئی ہے لیکن یہ معجزہ کی ایک خاص قسم ہے۔ حکم عام نہیں جیسا کہ معجزہ کے باب میں ان شاء اللہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

مخالف مذکور نے اس بحث میں ایک اور مغالطہ دیا ہے لکھتے ہیں:

ہم علمی میدان میں بڑے وسیع القدر ہیں۔حق بات کو دلیل اور برہان سے تسلیم کرتے اور کراتے ہیں، سینہ زوری سے کام نہیں لیتے۔ہم ان کی تسلی کے لئے ان کے اعلیٰ حضرت کا سردست ایک حوالہ عرض کر دیتے ہیں۔ملاحظہ کیجئے:

عرض: کسی کی کرامت کسبی بھی ہوتی ہے؟

ارشاد! کرامت سب کی وہبی ہوتی ہے اور جو کسب سے حاصل ہو بھان متی کا تماشہ ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔

(ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۳، طبع انڈیا، محمد سرفراز خان صفدر، اتمام البرہان، ص ۴۹۔۵۰)

کسب کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے ایک وہبی کا مقابلہ میں اور ایک کسب بہ مقابلہ خلق ہے۔اعلیٰ حضرت اس کسب کے بارے میں گفتگو فرمار ہے ہیں جو ریاضت کے معنی میں ہے اور وہب کے مقابلہ میں ہے اور ہم اس کسب کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جو اختیار اور قصد کے معنی میں ہے اور خلق کے مقابلہ میں ہے اس لئے اعلیٰ حضرت نے جو بیان فرمایا ہے وہ بالکل حق ہے اور ہمارے مطلوب کے کسی طرح مخالف نہیں ہے۔

معجزہ

بعثت کے بعد نبی کے ہاتھ پر جو خلاف عادت ظاہر ہو (عام ازیں کہ تحدی ہو یا نہ ہو) اس کو معجزہ کہتے ہیں۔خلاف عادت فعل کے ظہور کی تین صورتیں ہیں۔اول یہ کہ وہ خلاف عادت فعل صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہو اور نبی کے کسب اور اختیار کا اس میں بالکل دخل نہ ہو جیسے نزول قرآن یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا لیکن اس میں آپ کے کسب اور قصد کا کوئی دخل نہیں تھا کہ آپ جب چاہتے قرآن کو اپنے اوپر نازل کرالیتے۔اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ

(آل عمران:۴۱)

(حضرت زکریا نے حضرت یحییٰ کی ولادت پر کوئی نشانی مانگی اور) عرض کیا: اے اللہ! میرے لئے اس سے اوپر کوئی آیت (نشانی یا معجزہ) مقرر کردے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم

تین دن تک لوگوں سے سوا اشاروں کے
بات نہ کرسکو گے۔

اب حضرت زکریا علیہ السلام کا بات نہ کرسکنے میں ان کے کسب اور قصد کا کوئی دخل نہیں تھا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ اس قسم کے معجزات اور آیات میں نبی کے کسب اور قصد کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور شیخ عبدالحق دہلوی یا صاحب ''فتح الصفا'' نے جو معجزہ اور کرامت میں کسب کی نفی کی ہے وہ اسی قسم کی صورت پر محمول ہے۔ خلاف عادت افعال کے ظہور کی دوسری قسم یہ ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے کسی خلاف عادت فعل یا امر غیر عادی کے ظہور کے لئے دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو شرف قبولیت عطا فرما کر وہ امر غیر عادی ظاہر فرما دے۔ پھر اس امر غیر عادی کا ظہور صرف وقتی طور پر ہو تو اس میں نبی کے کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسے حضور کی دعا سے چاند کا شق ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے مسلسل ایک ہفتہ تک بارش ہونا پھر دوبارہ دعا سے بارش کا مدینہ کے گردونواح پر برستے رہنا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مستقل طور پر وہ امر غیر عادی نبی کو عطا کردے تو عطا کے بعد نبی کے کسب کا اس میں دخل ہے جب چاہے اس کو ظاہر فرمائے اور جب چاہے نہ کرے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ (طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸) اے اللہ! میرا سینہ فراخ کردے، میرا کام آسان کردے اور میری زبان سے بندش ہٹادے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لکنت کو بغیر کسی خارجی عمل کے ہٹا دینا ان کا معجزہ تھا جو ان کی دعا سے ملا اور یہ ہر وقت ان کے قبضہ میں دیا جب بھی گفتگو فرماتے روانی سے فرماتے ہر مرتبہ بات کرنے کے لئے الگ دعا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نبی کے قصد، اختیار اور کسب سے کوئی امر خارق (فعل خلاف عادت) واقع ہو۔ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَهْطًا إِلَى أَبِي رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَتِيكٍ لَيْلًا وَهُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ ابو رافع کی طرف بھیجا رات کے وقت عبداللہ بن عتیک اس

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَتِيْكٍ فَوَضَعْتُ السَّيْفَ فِيْ بَطْنِهٖ حَتّٰى اَخَذَنِيْ ظَهْرِهٖ فَعَرَفْتُ اِنِّيْ قَتَلْتُهٗ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ حَتّٰى اِنْتَهَيْتُ اِلٰى دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِيْ فَوَقَعْتُ فِيْ لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِيْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى اَصْحَابِيْ فَانْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِيْ فَمَسَحَهَا فَكَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَكِهَا قَطُّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ (ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ، ص ۵۳۱)

کے گھر داخل ہوئے ابورافع سویا ہوا تھا۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر کمر کے آرپار کر دی اور جب مجھے اس کے قتل ہو جانے کا یقین ہو گیا تو میں دروازے کھولتا ہوا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں سیڑھی کے پاس پہنچا (میں یہ سمجھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں) اور میں نے پیر زمین پر رکھا۔ پس میں چاندنی رات میں گر پڑا۔ اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میں نے اس کو اپنی پگڑی سے باندھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نبی علیہ السلام تک پہنچا اور آپ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے ٹانگ پھیلائی آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ پھر یوں لگتا تھا جیسے اس میں کبھی تکلیف ہی نہ ہوئی ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں کہیں دعا کے لفظ کا ذکر نہیں ہے، صرف یہ کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر شفاء دینے کے قصد سے ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے شفاء پیدا کر دی۔

اس حدیث میں معجزہ پر نبی علیہ السلام کے کسب کی واضح دلیل ہے اور یہ بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آفات اور مصیبتوں میں حضور ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ سے استمداد کرتے تھے اور امور غیر عادیہ میں نبی علیہ السلام کا کسب ظاہر ہے کیونکہ عادۃً کسی کے ہاتھ پھیرنے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ جڑا نہیں کرتی۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ رِكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهُ قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ فَنَتَوَضَّأُ بِهِ وَنَشْرَبُ اِلَّا مَا فِي رِكْوَتِكَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ فِي الرِّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنَ اَصَابِعِهِ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيْلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةٍ۔ (متفق علیہ)

(ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ ص ۵۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم حدیبیہ کو لوگوں کو پیاس لگی۔ حضور ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا، جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ پھر لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ نہ ہمارے پاس وضو کیلئے پانی ہے اور نہ پینے کے لئے سوا اس پانی کے جو آپ کے اس برتن میں ہے۔ نبی علیہ السلام نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح بہنے لگا۔ جابر کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے پیا اور وضو کیا۔ جابر سے پوچھا گیا کہ تمہاری کتنی تعداد تھی؟ جابر نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں پورا ہو جاتا۔ ویسے ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بھی کہیں دعا کا ذکر نہیں ہے۔ صرف حضور ﷺ کے کسب کا ذکر ہے آپ ﷺ نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور انگلیوں سے پانی جاری کرنے کا قصد کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی انگلیوں سے پانی جاری کرنے کا فعل پیدا کر دیا۔ یہ کام خلاف عادت اور معجزہ ہے اور اس میں حضور ﷺ کے کسب کا دخل بالکل ظاہر ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب صحابہ کرام کو پیاس لگی اور وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کی طرف رجوع کیا صرف اپنی پیاس اور وضو کے لئے پانی کی ضرورت کا اظہار کیا دعا کی درخواست نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ دعا فرمائیں تب بھی

اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر افعال غیر عادیہ جاری فرما دیتا ہے اور اگر دعا نہ فرمائیں تب بھی اللہ تعالیٰ آپ کے قصد پر افعال غیر عادیہ پیدا کر دیتا ہے۔ نیز اس حدیث سے امور غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب العادیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ان کی استمداد اور آپ کی امداد ثابت ہے۔

معجزہ کی ان تین قسموں کے سامنے آ جانے کے بعد اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جن علماء نے معجزہ سے کسب کی نفی کی ہے اور اس کو محض اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا ہے۔ اس سے ان کی مراد معجزہ کی قسم اول ہے اور جن علماء نے معجزہ میں نبی کے کسب کا دخل قرار دیا ہے وہ معجزہ کی تیسری قسم ہے جیسا کہ ہم نے ابھی احادیث سے واضح کیا ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں:

شرط بعضهم ان لایکون المعجزة مقدورا للنبی فاذا مشی علی الماء و طار فی الهواء فلیس المعجزة مشیه و طیرانه بل نفس القدرة علیهما والقدرة لیس مقدورة له والصحیح ان نفس المشی والطیران معجزة۔

بعض علماء نے معجزہ کے لئے شرط لگائی ہے کہ معجزہ نبی کا مقدور نہ ہو۔ پس جب نبی پانی پر چلے یا ہوا میں اڑے تو اس کا چلنا اڑنا معجزہ نہیں ہے، بلکہ چلنے اور اڑنے کی طاقت معجزہ ہے۔ اور وہ طاقت نبی کی قدرت میں نہیں ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی کا صرف چلنا اور اڑنا بھی معجزہ ہے۔

(عبدالعزیز پرہاروی متوفی ۱۲۳۹ھ، نبراس ص ۴۳۱)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے بعض علماء کی اس شرط کو رد کر دیا اور فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کا پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا معجزہ ہے (نہ کہ اس کی طاقت جو من جانب اللہ ہے) اور "نبراس" کے حاشیہ پر اس کی وضاحت ہے۔

قوله مقدور اللنبی اذلو کان مقدور اله لم یکن نازلا منزلة التصدیق من الله ولکن لیس بشیء لان قدرته مع عدم قدرة غیره عادة معجزة۔

کیونکہ اگر معجزہ نبی کی طاقت میں ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہ ہو سکے گا۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ جب نبی کو ایک کام پر قدرت ہو اور

(علامہ برخوردار ملتانی، حاشیہ علی نبراس، ص۴۳۱) نبی کے غیر کو اس پر عادۃً قدرت نہ ہو تو یہ بہر حال نبی کا معجزہ ہوگا۔

علامہ عبدالعزیز نے جو نبی کے محض پانی پر چلنے اور ہوا میں اڑنے کو (نہ کہ اس پر قدرت کو جو من جانب اللہ ہے) معجزہ قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے محشی لکھتے ہیں:

قوله معجزة يعنى من جهة كونها خارقة للعادة مخلوقة الله تعالى وان كانت مقدورة نبى الله تعالى و هو الاصح كذا فى شرح المواقف۔

(علامہ برخوردار ملتانی، حاشیہ علی نبراس، ص۴۳۱)

کیونکہ معجزہ خلاف عادت فعل ہوتا ہے اس لئے وہ خلاف عادت فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ کے نبی کا مقدور ہونے کا باوجود معجزہ ہے۔ ''شرح مواقف'' میں اسی طرح ہے۔

سرفراز صاحب نے آمدی کی اور سید شریف کی ''شرح مواقف'' سے جو نامکمل عبارت پیش کی تھی وہ ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

و شرط قوم فى المعجزة ان لا يكون مقدورا للنبى اذلو كان مقدورا له كصعوده الى الهواء و مشيه على الماء لم يكن نازلا منزلة التصديق من الله و ليس بشىء لان قدرته مع عدم قدرة غيره عادة معجزة قال الامدى بل يتصدر كون المعجز مقدورة للرسول ام لا اختلف الائمة فذهب بعضهم الى ان المعجزة فيما ذكر من المثال ليس هو الحركة بالصعد او المشى لكونها مقدورة بخلق الله فيه القدورة عليهما انما المعجزة هناك هو نفس

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی طاقت میں نہ ہو کیونکہ اگر وہ نبی کی طاقت میں ہو جیسے نبی کا ہوا میں اوپر چڑھنا یا پانی پر چلنا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ اور یہ بات بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ جب نبی کو ان امور پر قدرت اور طاقت ہو اور اس کے غیر کو اس پر عادۃً قدرت اور طاقت نہ ہو تو یہ بہر حال نبی کا معجزہ ہوگا۔ آمدی نے کہا کہ یہ متصور ہے کہ رسول کو معجزہ پر قدرت ہو یا نہ ہو اس بات میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کا نظریہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں صرف ہوا

القدرة عليها و هذه القدرة ليس مقدورة له و ذهب اخرون الى ان نفس هذه الحركة معجزة من حيث كونها خارقة للعادة و مخلوقة لله تعالى و ان كانت مقدورة نبى الله تعالى و هو الاصح۔(میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ، شرح مواقف،ص۶۶۶)

میں اوپر چڑھنا یا پانی پر چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے نبی کی قدرت میں ہیں۔ پس معجزہ دراصل ان افعال پر قدرت ہے اور یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے نبی کی قدرت نہیں ہے۔ اور اکثرین کا نظریہ یہ ہے کہ افعال (یعنی پانی پر چلنا وغیرہ) خود معجزہ ہیں کیونکہ خلاف عادت افعال ہیں اور یہ افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی قدرت میں ہیں اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

اس عبارت کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) ایک قوم نے یہ کہا کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہوتا۔لیکن اس بات کو میر سید شریف نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ جب نبی ایسا فعل پیش کرے جو عادۃً دوسروں کی طاقت اور قدرت میں نہ ہو تو وہ بہر حال معجزہ ہے اس لئے کہ معجزہ نبی کی قدرت اور طاقت میں ہوتا ہے اگرچہ وہ قدرت اور طاقت اللہ کی پیدا کردہ ہے۔یعنی نبی اظہار معجزہ میں جماد کی طرح مجبور محض نہیں ہے جیسا کہ جبریہ کا مسلک ہے۔

(۲) آمدی نے کہا کہ بعض ائمہ کا نظریہ یہ ہے کہ دراصل معجزہ خلاف عادت افعال پر قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے معجزہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہے۔لیکن آمدی نے ان بعض ائمہ کے نظریہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اکثرین کا نظریہ یہی ہے کہ معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگرچہ معجزہ کی صورت میں جو افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے امام غزالی نے فرمایا کہ عام افعال عادیہ ہمارے کسب و

اختیار میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے خاص افعال یعنی غیر عادیہ ان کے اختیار اور کسب میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔

معجزہ کی پہلی قسم جس میں نبی کے کسب کا دخل نہیں ہوتا وہ چونکہ غیر نزاعی ہے اس لئے اس کو چھوڑ کر ہم دوسری قسم کی تفصیل کر رہے ہیں۔ معجزہ کی دوسری قسم جو ہم نے بیان کی تھی کہ نبی اللہ تعالیٰ سے کسی خلاف عادت امر کے حصول کے لئے دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ نبی کو اس معجزہ پر قدرت عطا فرما دے کہ وہ جب چاہے اپنے کسب اور اختیار سے اس معجزہ کو ظاہر کر دے۔ اس پر قرآن کریم کی آیت دلیل ہے۔

ترجمہ تھانوی صاحب کا ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾۔ (ص:۳۵۔۳۹)

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لئے غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ سو خواہ دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں ہے۔

اس کی تفسیر میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ کسی کو دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں یعنی جتنا سامان ہم نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو خازن و حارس نہیں بنایا جیسا دوسرے ملوک خزائن ملکیہ کے مالک نہیں ہوتے، ناظم ہوتے ہیں بلکہ تم کو مالک ہی بنا

دیا ہے مالکانہ تصرفات کے مختار ہو۔تو اس سے حقوق واجبہ کے ترک میں تخیر لازم نہیں آتی۔(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ،بیان القرآن،ج ۲،ص۸۸۹)

مخالف مذکور کے حکیم الامت جناب اشرف علی تھانوی نے واشگاف الفاظ میں تصریح کردی ہے کہ ہواؤں اور جنات پر تصرف کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مالکانہ اختیار عطا فرما دیئے تھے۔تھانوی صاحب نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس غیر عادی امر پر کسب واختیار کے بارے میں معجزہ کی تصریح نہیں کی جو ان کو دعا کی وجہ سے علی العموم حاصل ہو گیا۔ اس لئے اس امر غیر عادی کے معجزہ ہونے پر ہم متقدمین مفسرین کی تصریحات پیش کررہے ہیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

فاراد ان یطلب من ربه معجزة فطلب علی حسب الفه ملکا زائدا علی الممالیك زیادة خارقة للعادة بالغة حد الاعجاز لیکون ذالك دلیلا علی نبوته قاهرا للمبعوث الیهم وان یکون معجزة حتی یخرق العادات۔(جار اللہ زمخشری متوفی ۴۶۷ھ،کشاف،ج ۳،ص ۴۷۵)

سلیمان علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اپنے رب سے معجزہ طلب کریں۔پس انہوں نے اپنی منشا کے مطابق ایسا معجزہ طلب کیا جس کی وجہ سے ان کا ملک دوسرے ممالک پر زائد رہے۔ ایسی زیادتی کے ساتھ جو خلاف عادت ہو اور حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہو تا کہ یہ ان کی قوم کے لئے ان کی نبوت پر قاہر دلیل ہو اور ایسا معجزہ جو تمام امور عادیہ کے خلاف ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان الملك هو القدرة فکان المراد اقدرنی علی اشیاء لایقدر علیها غیری البتة یصیر اقتداری علیها معجزة تدل علی صحة نبوتی و رسالتی والدلیل علی صحة هذا الکلام انه

ملک کا معنی ہے قدرت، پس سلیمان علیہ السلام کی دعا سے مراد یہ تھی کہ اے اللہ! مجھے ان چیزوں پر قادر کر دے جن پر میرا غیر کسی وجہ سے قادر نہ ہو سکے تا کہ ان چیزوں پر قدرت میری نبوت اور رسالت کی صحت پر

تعالٰی قال عقیبه فسخرنا له الریح تجری بامره رخاء حیث اصاب فیکون الریح جاریا بامره قدرة عجیبة و ملك عجیب ولا شك انه معجزة دالة علی نبوته فکان قوله هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی هذا المعنی لان شرط المعجزة ان لا یقدر غیره علی معارضتها فقوله لا ینبغی لاحد من بعدی یعنی لا یقدر احد علی معارضة۔ (فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، ج۷، ص۱۹۶)

معجزہ ہوجائے اوراس کلام کی صحت پردلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس دعا کے بعد فرمایا: ''ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا جوان کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی ہے جہاں کا وہ قصد کریں'' اور ہوا کا ان کے حکم سے چلنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عجیب قدرت ہے۔ اور بلاشبہ یہ معجزہ ان کی نبوت پر دلالت کرتا ہے اوران کی دعا: ''مجھے ایسا ملک دے جو بعد میں کسی کے لائق نہ ہو'' یہی مطلب ہے کیونکہ معجزہ کی یہی شرط ہے کہ اس کے مقابلہ پر دوسرا شخص قادر نہ ہوسکے۔ پس ان کی اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اس معجزہ میں ان کا مقابل نہ ہوسکے۔

امام رازی کے اس بات پر وافر دلائل موجود ہیں کہ ہواؤں اور جنات کا تابع ہونا نہ صرف سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی نے اس معجزہ کو ان کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

اور قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لیکون معجزة و مناسبة لحالی۔ (قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، تفسیر بیضاوی، ج۲، ص۳۳۵-۳۳۶)

تاکہ ہواؤں کا مسخر ہونا میرے لئے معجزہ ہوجائے۔

اور ''هذا عطاؤنا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لتفویض التصرف فیه الیك۔

کیونکہ ہم نے معجزات میں تصرف تو آپ کو

مفوض کر دیا ہے۔

اور علامہ نظام الدین نیشاپوری ''رب ھب لی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وانما قصد به ان یکون معجزة له و من شرط المعجزة ان لا یقدر غیره علی معارضته۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس دعا سے معجزہ کا قصد کیا اور معجزہ کی شرط یہ ہے کہ دوسرا شخص اس کے معارضہ پر قادر نہ ہو۔

اور ''ھذا عطاؤنا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی انه جمه کثیر لا یدخل تحت الضبط والحصر فاعط منه ماشئت او امسك مفوضا الیك زمام التصرف فیه۔ (نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۶۸ھ، تفسیر نیشاپوری علی ہامش الطبری پ ۲۳ ص ۱۰۲)

یعنی ہم نے آپ کو جو چیزیں عطا کی ہیں وہ ضبط اور شمار سے باہر ہیں آپ ان میں سے جو چاہیں دے دیں، جو چاہیں نہ دیں اس معاملہ میں تصرف کی باگیں آپ کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

طعن بعض الملاحدة علی سلیمان و نسبة فی ھذا الی الحرص علی الاستبداد بنعمة الدنیا و خفی علیه ان ذلك کان یاذن له من الله وان تلك کانت معجزته کما اختص کل نبی بمعجزته دون غیره۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۰، ص ۱۶۷)

بعض ملحدوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ طعن کیا ہے کہ انہوں نے نعمت دنیا کی حرص کی وجہ سے دعا مانگی اور ان لوگوں پر یہ بات مخفی رہی کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھی اور یہ معجزہ ان کے ساتھ اس طرح مختص تھا جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ مختص تھے۔

اور علامہ ابو سعود دعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

استدعا من ربه معجزة۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب سے معجزہ طلب کیا۔

اور ''ھذا عطاؤنا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لتفويض الصرف فيه اليك على الاطلاق۔ (علامہ ابوسعود متوفی ۸۵۲ھ، تفسیر ابو سعود علی ہامش الکبیر، ج ۷، ص ۵۷۴_۵۷۵)

کیونکہ ان معجزات میں ہم نے آپ کو علی الاطلاق تصرف دے دیا ہے۔

اور ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں:

سئل سليمان ذالك ليكون اية نبوته و معجزة له۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سوال اپنی نبوت پر معجزہ کے حصول کے لئے کیا۔

اور ''هذا عطاؤنا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غير محاسب على منه و امساكه كتفويض الصرف فيه الا اليك۔ (علامہ ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، ج ۸، ص ۱۸۲)

آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا۔ آپ ان امور میں سے کسی کو دیں یا نہ دیں کیونکہ اس میں تفویض آپ ہی کو دیا گیا ہے۔

اور علامہ آلوسی دعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاراد ان يطلب من ربه عزوجل معجزة۔

سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب سے معجزہ کی طلب کی۔

اور ''هذا عطاؤنا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاعط من شئت و امنع من شئت غير محاسب على شئ من الامرين ولا مسئول عنه فى الاخرة لتفويض التصرف فيه اليك على الاطلاق۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، تفسیر روح المعانی۔ پ ۲۳، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴)

آپ جس کو چاہیں عطا کریں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ آپ سے دنیا اور آخرت میں ان میں سے کسی چیز پر حساب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان (امور غیر عادیہ) میں آپ کو علی الاطلاق تصرف دے دیا ہے۔

احمد مصطفیٰ مراغی لکھتے ہیں:

فاراد ان يطلب من ربه معجزة۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب سے معجزہ طلب کیا۔

اور "ھذا اعطاؤنا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاعط من شئت و امنع من شئت غیر محاسب علی شئی من ذالك قد فوضنا لك التصرف فیه کما تشاء۔ (احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر مراغی، پ ۲۳، ص ۲۲۱ تا ۲۲۳)

آپ (ان امور میں سے) جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا، کیونکہ ہم نے ان امور میں آپ کو تصرف عطا کر دیا جیسے چاہیں تصرف کریں۔

اب ہم معجزہ کی تیسری قسم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جس میں دعا کا ذکر نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسب پر اللہ تعالیٰ امر غیر عادی کو پیدا فرمائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

معرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے لشکر کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ "شاھت الوجوہ" فرمایا خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ آخر بہت سارے کافر ہلاک ہو گئے۔ کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں ہے کہ وہ کنکریوں کی ایک مٹھی مخالف لشکر کی طرف پھینکے اور اس کے ہر سپاہی کی آنکھ میں وہ کنکریاں پڑ جائیں۔

اللہ تعالیٰ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ (الانفال: ۱۷)

آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ مٹھی پھینکی ہے۔

اس آیت کریمہ میں پہلے خاک کی مٹھی پھینکنے کی نسبت آپ کی طرف کی اور پھر اس کی نفی کی ہے۔ ایک چیز کا ہونا اور نہ ہونا یہ بظاہر تعارض اور تناقض یا تنافی ہے۔ مفسرین کرام نے اس تعارض کو دور کیا ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

وما رمیت اذ رمیت اثبت کونه علیه

آپ نے مٹھی نہ پھینکی جب کہ پھینکی تھی اللہ

السلام رامیا و نفی عنه کونه رامیا فوجب حمله علی انه رماه کسبا و ما رماه خلقا۔ (امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر ج ۴، ص ۳۵۹)

تعالیٰ نے پہلے آپ کے لئے پھینکنا ثابت کیا اور بعد میں آپ سے پھینکنے کی نفی کی۔ پس آیت کا اس بات پر حل کرنا ضروری ہے۔ آپ کا پھینکنا بطور کسب تھا اور نہ پھینکنا بطور خلق تھا۔

اور علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی لکھتے ہیں:

وفی الایة بیان ان فعل العبد مضاف الیه کسبا والی الله تعالیٰ خلقا۔ (علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی متوفی ۷۰۱ھ، تفسیر مدارک علی ہامش الخازن ج ۲، ص ۱۸۵)

اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ بندہ کی طرف فعل بطور کسب منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بطور خلق۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:

والحاصل ما رمیت خلقا اذ رمیت کسبا۔ (علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایت القاضی ج ۴، ص ۲۶۱)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے بطور خلق کنکریاں نہیں پھینکیں۔ جب آپ نے بطور کسب پھینکی تھیں۔

اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

واستدلال بالایة ان افعال العباد بخلقه تعالیٰ وانما لهم کسبها ومباشرتها قال الامام اثبت سبحانه کونه ﷺ رامیا ونفی کونه رامیا فوجب حمله علی انه علیه الصلوة والسلام رمی کسبا والله تعالیٰ رمی خلقا۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی پ ۹، ص ۱۸۵)

اس آیت سے اس بات کا استدلال کیا گیا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے خلق سے ہوتے ہیں اور بندوں کے لئے ان افعال کا کسب ہوتا ہے۔ امام (رازی) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے پھینکنے کی نفی کی اور پھر آپ کے لئے پھینکنا ثابت کیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ آپ نے بطور کسب پھینکا تھا اور

بطور خلق نہیں پھینکا تھا۔

ہم نے اساطین علماء اسلام کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ بعض افعال غیر عادیہ میں انبیاء علیہم السلام کے کسب کو دخل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ہم احادیث سے بھی یہ ثابت کر چکے ہیں اور اب امام رازی، علامہ نسفی، علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی جیسے مستند مفسرین کرام کے حوالوں سے بھی قرآن کریم کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرات متکلمین سے علامہ آمدی، میر سید شریف، علامہ عبدالعزیز پر ہاروی صاحب ''نبراس'' علامہ ملتانی کے حوالوں سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ متکلمین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ معجزہ نبی کا مقدور ہوتا ہے اور جن بعض متکلمین نے اختلاف کیا ہے اس کا محل بھی متعین کر دیا کہ وہ معجزہ کی پہلی قسم ہے اس کے علاوہ امور غیر عادیہ کی بحث امام غزالی، ابن حجر عسقلانی، محی الدین عربی اور علامہ عبدالوہاب شعرانی کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ امور غیر عادیہ انبیاء علیہم السلام کے کسب اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ کاش! مخالف مذکوران تمام امور کو بغور پڑھیں اور حقیقت کا اعتراف کر لیں انبیاء کرام سے عناد رکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہمیں تو آپ شرک کا شیدائی کہتے ہیں لیکن آپ ہی دیکھیں کہ آپ کے معتمد علیہ مفسر علامہ سید آلوسی اسی آیت کی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں؟

فانا لا اری باسا فی ان یکون الرمی المثبت له صلی اللہ علیہ وسلم هو الرمی المخصوص الذی ترتب علیه ما ترتب مما ابهر العقول و تحیر الالباب و اثبات ذالك له علیه الصلوة والسلام حقیقة علی معنی انه فعله بقدرة اعطیت له صلی اللہ علیہ وسلم مؤثرة باذن الله تعالیٰ الا انه لما کان ما ذکر خارجا عن العادة اذا المعروف فی القدر الموصوفة للبشر ان

میں اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ جو مٹھی کا پھینکنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ثابت کیا گیا ہے، وہ وہی پھینکنا ہے جس نے عقلوں کو حیران اور مبہوت کر دیا اور یہ پھینکنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حقیقتاً ثابت ہے۔ بنابریں کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے انجام دیا ہے جو آپ کو عطا کی گئی تھی۔ اور آپ کی وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے تاثیر کر رہی تھی۔ لیکن چونکہ عام طور پر

لاتوثر مثل هذا الاثر نفی ذالك عنه و اثبت لله سبحانه مبالغة كانه قيل ان ذلك الرمی وان صدر منك حقيقة بالقدرة الموثرة باذن الله تعالی سبحانه لكنه لعظم امره وعدم مشابهته لا فعال البشر كانه لم يصدر منك بل صدر من الله جل شانه بلا واسطة۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، تفسیر روح المعانی پ۹،ص۱۸۶)

انسانوں کو ایسی قدرت عادۃً نہیں دی جاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اثر کی حضور ﷺ سے نفی کی اور مبالغۃً اس فعل کو اپنے لئے ثابت فرمایا گویا کہ یوں کہا گیا کہ یہ رمی اگرچہ حقیقۃً آپ ﷺ سے اس قدرت کے ساتھ صادر ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے مؤثر تھی۔ لیکن چونکہ یہ بہت عظیم امر تھا۔ اور افعال بشر کے مشابہ نہ تھا تو گویا یہ فعل آپ سے صادر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا۔

ہم نے تو صرف اتنا کہنا تھا کہ امور غیر عادیہ میں نبی کسی فعل کا قصد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے تو آپ برہم ہو گئے تھے اور علامہ آلوسی فرما رہے ہیں کہ نبی ﷺ نے از خود خداداد قوت سے حقیقتاً وہ کنکریاں پھینکیں جنہوں نے تمام لشکر کفار کو حواس باختہ کر دیا۔ علامہ آلوسی نے بہت عمدہ بات کی ہے اور تیسری قسم کے تمام معجزات کو اسی صورت پر محمول کر دیا جائے تو عین ایمان کے مطابق ہے آخر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خداداد طاقت سے قلعہ خیبر اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں تو حضور ﷺ خداداد قوت سے امور غیر عادیہ کو کیوں انجام نہیں دے سکتے؟

جب نبی کی خداداد قوت کا ذکر آ گیا ہے تو ایک اور ایمان افروز حدیث سن لیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی فَلَمَّا جَاءَهٗ صَكَّهٗ فَفَقَاَ عَیْنَهٗ فَرَجَعَ اِلٰی رَبِّهٖ فَقَالَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَیْنَهٗ وَقَالَ اِرْجِعْ فَقُلْ لَهٗ اَنْ یَّضَعَ یَدَهٗ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ملک الموت کو بھیجا گیا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے زور سے اس کو ایک تھپڑ مارا اور اس کی آنکھ باہر نکال دی۔ اللہ تعالیٰ نے

بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهٖ يَدُهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ اِىْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْآنَ فَسَئَلَ اللهُ تَعَالٰى اَنْ يُّدْنِيَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰى جَانِبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ۔ (امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۷۸)

ملک الموت کی آنکھ واپس کر دی اور فرمایا: دوبارہ جاؤ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہو کہ آپ ایک سفید بیل کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال آپ کی عمر بڑھا دی جائے گی۔ آپ نے عرض کیا: اے رب! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر موت، آپ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ مجھے بیت المقدس میں کثیب احمر کے قریب کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہیں کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا۔

انور شاہ کشمیری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وانما فقأت عينه فقط لانه كان ملك الموت والا لاندفت السموات السبع من لطمة غضبه وانما غضبه عليه لان من سنة ملك الموت بالانبياء ان يكلمهم بالتخيير فلما تركها و اخبره بالوفاة اخذته الغضبة فلطمه۔ (انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۲، ص ۴۷۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ سے عزرائیل کی فقط آنکھ کھلی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ملک الموت تھے (یعنی قضاءً انہوں نے سب کی روح قبض کرنی تھی) ورنہ حضرت موسیٰ کے غضب ناک تھپڑ کا تقاضا یہ تھا کہ ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جا کر ملک الموت کو موت کا اختیار دینا چاہئے تھا اور جب کہ ملک الموت نے اختیار کو ترک کیا اور وفات کی

خبر دی تو موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ گیا۔

غور فرمایئے! کہ امور غیر عادیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خداداد طاقت کا یہ عالم تھا کہ ملک الموت کو تھپڑ مارا تو اس کی آنکھ نکال دی اور انور شاہ کشمیری کہتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو قبض ارواح کے لئے زندہ نہ رکھنا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی ضرب سے ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ غور فرمایئے! کہ جب بازوئے کلیم کی قوت کا یہ اثر ہے تو بازو حبیب کی طاقت کا کیا عالم ہوگا؟

علامہ آلوسی اور کشمیری صاحب کی عبارات کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو ایسی قدرت اور طاقت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان سے خلاف عادت امور اور معجزات رونما ہوتے ہیں۔ پھر کس قدر حیرت اور افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام معجزات کے صدور میں پتھر کی طرح بے بس ہیں۔ جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم بے بس ہوتا ہے اسی طرح انہیں کسی معجزہ پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ فالی اللہ المشتکی وللہ العزۃ ولرسولہ۔

کرامت

معجزہ کی طرح کرامت بھی تین قسموں پر ہے ایک قسم وہ ہے جس میں ولی کے کسب اور اختیار کے بغیر اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر خلاف عادت افعال ظاہر کرتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں ولی کی دعا سے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی خلاف عادت فعل ظاہر کرتا ہے، یہ دونوں قسمیں غیر اختلافی ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں ولی کے کسب، قصد اور اس کے اختیار پر اللہ تعالیٰ کوئی خرق عادت فعل ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ اس قسم کو ماننے سے بعض مخالفین نے انکار کر دیا ہے، بلکہ اس کو دھوکہ دہی، جہالت اور علم و بصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی قرار دیا ہے۔ (اتمام البرہان ص ۴۹۔ ۵۰)

اس لئے ہم آپ کے سامنے اب کرامت کے اختیاری ہونے پر دلائل پیش کر رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

حضرت علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

والکرامة ظهور امر خارق العادة بلا دعوی النبوة وھی جائزة ولو بقصد الولی من جنس المعجزات لشمول قدرة الله تعالیٰ و واقعة کقصة مریم واصف و اصحاب الکھف وما تواتر جنسه من الصحابة والتابعین و کثیر من الصالحین (علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، مقاصد علی ہامش شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۰۳)

کرامت (دعویٰ نبوت کے بغیر) خلاف عادت امر کے ظہور کو کہتے ہیں اور یہ جائز ہے اگرچہ یہ ولی کے قصد سے ہو اور یہ معجزات کی جنس سے ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان سب کو شامل ہے اور یہ واقع ہے جیسے حضرت مریم، آصف بن برخیا اور اصحاب کہف کے واقعات اور اس جنس کے واقعات جو صحابہ، تابعین سے اور صالحین امت سے بہ کثرت صادر ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ تفتازانی نے اس عبارت میں تصریح کر دی کہ کرامت ولی کے قصد اور اختیار سے واقع ہوتی ہے۔

علامہ نووی ''مسلم شریف'' کی ایک حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنھا اثبات کرامات الاولیاء وھو مذھب اھل السنة خلافا للمعتزلة و فیه ان کرامات الاولیاء قد تقع باختیارھم و طلبھم ھذا ھو الصحیح عند اصحابنا المتکلمین و منھم من قال لا یقع باختیارھم و طلبھم و فیه ان الکرامات قد تکون بخوارق العادات علی جمیع انواعھا و منھا بعضھم وادعی انھا تختص بمثل اجابة دعاء و نحوہ و ھذا غلط من قائله و انکار للحس بل الصواب جریانھا

اور اس حدیث کے فوائد میں سے اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب بہ خلاف معتزلہ کے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ بعض اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار اور ان کی طلب سے واقع ہوتی ہے اور یہی بات ہمارے متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے: کرامات اولیاء کے اختیار اور طلب سے واقع نہیں ہوتیں۔ اس میں یہ اعتراض ہے کہ کرامات خلاف عادت افعال کی تمام اقسام پر واقع ہوتی ہیں (یعنی تینوں قسموں

بقلب الاعیان واحضار الشئ من العدم ونحوہ۔ (شیخ محی الدین البرز کریا نووی متوفی ٦٧٦ھ، شرح نووی مع مسلم ج ٢ ص ٣١٤)

پر جیسا ہم نے بیان کیا ہے، سعیدی) بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کرامت قبولیت دعا اور اس کی مثل کے ساتھ خاص ہے ان لوگوں کا یہ قول قطعاً غلط ہے۔ اور مشاہدہ کا انکار ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حقائق میں انقلاب اور شئ کا عدم سے وجود میں لانے اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ساتھ کرامت کا تعلق ہوتا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں تقریباً وہ سب باتیں آ گئی ہیں جو کرامت کے سلسلہ میں ہم اب تک کہتے آئے ہیں۔

اس بحث میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

ان کرامۃ الولی قد تقع باختیارہ و طلبه هو الصحیح عند جماعۃ المتکلمین۔ (علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، عمدۃ القاری جز ٧ ص ٢٨٣)

ولی کی کرامت بعض اوقات اس کی طلب اور اختیار سے واقع ہوتی ہے اور یہ بات صحیح ہے۔

اور علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

فالکامل من قدر علی الکرامۃ۔ (علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ٩٧٣ھ، الیواقیت والجواہر ج ٣ ص ١٠٥)

اور کامل وہ شخص ہے جو کرامت پر قادر ہو۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی فرماتے ہیں:

ثم مجوز والکرامات تخربوا اجزابا فمنهم من شرط لایختارها الولی و بهذا فرقوا بینها و بین المعجزۃ و هذا غیر

جو حضرات کرامت کے جواز کے قائل ہیں ان میں سے بعض نے کہا کہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ تا کہ معجزہ اور

کرامت میں فرق ہو اور یہ فرق صحیح نہیں ہے۔ صحیح۔(علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ، فتاویٰ حدیثیہ،ص۲۵۹)

اولیاء کرام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرما کر ان کے لئے کوئی خلاف عادت کام ظاہر فرمادے کرامت کی یہ قسم غیر نزاعی اور غیر اختلافی ہے۔اس لئے کرامت کی اس قسم کو بیان کر کے ہم طوالت سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر ہم صرف کرامت کی اس قسم کا ذکر کر رہے ہیں جو اولیاء اللہ تعالیٰ کی خداداد قوت سے ظہور میں آتی ہیں یا جن امور عادیہ کے لئے یہ کسب اور قصد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے کسب اور قصد کے مطابق خلاف عادت امر پیدا فرما کر ان کی کرامت ظاہر کر دیتا ہے۔

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

علامہ تاج الدین سبکی نے ''طبقات کبریٰ'' میں بیان کیا ہے کہ کرامتوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔

(۱) مُردوں کو زندہ کرنا

مفرج دمامینی کا قصہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھنے ہوئے پرندوں کے بچے ہوئے ٹکڑوں کو فرمایا تھا کہ اڑ جاؤ تو وہ اڑ گئے تھے اور شیخ علی الابدال کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے مری ہوئی بلی کو آواز دی تو وہ ان کے پاس آ گئی۔

(۲) مُردوں سے بات چیت کرنا

اور یہ قسم تو پہلی قسم سے بھی زیادہ واقع ہوئی ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ابو سعید فراز سے اور پھر شیخ عبد القادر اور ایک جماعت سے روایت ہے جن میں کے آخری بزرگ علامہ تاج الدین سبکی کے والد ماجد حضرت شیخ امام تقی الدین سبکی ہیں۔

(۳) دریا کا شق ہو جانا اور اس کا خشک ہو جانا یا پانی کا اوپر کو چلا جانا

اور یہ تینوں قسمیں بہت واقع ہوئی ہیں۔ایک ایسا ہی واقعہ شیخ الاسلام سید المتاخرین تقی الدین دقیق العید کے یہاں بھی ہوا ہے۔

(۴) قلب ماہیت

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ عیسیٰ العتار یمنی کے پاس کسی شخص نے مزاح میں دو برتن شراب سے بھرے ہوئے بھیج دیئے تھے۔ آپ نے ایک کو دوسرے میں الٹ دیا اور فرمایا کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ۔ لوگوں نے کھایا تو وہ ایسا عمدہ گھی تھا کہ اس کی سی رنگت اور خوشبو کہیں دیکھی نہیں گئی اور ایسے واقعات بہت منقول ہیں۔

(۵) اولیاء اللہ کے واسطے زمین کا سمٹ جانا

بیان کیا گیا ہے کہ ایک ولی طرسوس کی جامع مسجد میں تھے آپ کو حرم شریف کی زیارت کا اشتیاق ہوا تو آپ نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھایا تو آپ حرم شریف کے اندر تھے اور اس قسم کے واقعات کا مشترک مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔ اس لئے اب اس کا انکار سوائے ضدی شخص کے اور کون کر سکتا ہے؟

(۶) جمادات اور حیوانات کا کلام کرنا

خود اس کرامت کے ہونے میں اور پھر اس کے بہ کثرت واقع ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ انار کے درخت کا آپ کو اپنا پھل کھانے کے لئے پکارنا منقول ہے۔ آپ نے ایک انار کھایا تو وہ درخت چھوٹا سا تھا بڑا ہو گیا، کھٹا تھا میٹھا ہو گیا اور ایک سال میں دو بار پھل لانے لگا۔

(۷) بیماریوں سے تندرست کر دینا

جیسا کہ حضرت سری (حضرت جنید کے پیر) سے ایک بزرگ کے قصہ میں روایت ہے جو ان سے ایک پہاڑ پر ملے تھے کہ وہ اپاہج اور اندھوں اور دوسرے بیماروں کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مجبور محض فالج زدہ اندھے کوڑھی بچے کو فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے کھڑا ہو جا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کا کوئی مرض باقی نہ رہا۔

(۸) حیوانات کا فرمانبردار ہو جانا

جیسے کہ ابوسعب بن ابی الخیر المہینی کے ساتھ ایک شیر کا قصہ ہے اور ان سے قبل ابراہیم خواص کا واقعہ بھی ہوا ہے بلکہ جمادات بھی فرمانبردار ہو جاتے ہیں جیسے کہ سلطان العلماء شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کے قصہ میں ہے اور انہیں سے واقعہ فرنگ میں یہ قول مروی ہے کہ "اے ہوا ان لوگوں پر گرفت کر"۔

(۹) وقت کا سمٹ جانا

(۱۰) وقت کا وسیع ہو جانا

ان دونوں کرامتوں کی تقریریں عوام کی عقلوں کے لئے دشوار ہیں مگر اہل لوگوں کے لئے اس کا تسلیم کرنا ہی اسلام میں مستحسن ہے اور اس باب میں روایات بہ کثرت ہیں۔

(۱۱) دور کے مقام کو باوجود حجابات کے دیکھ لینا جیسا کہ نقل ہے کہ شیخ ابواسحق شیرازی کعبہ مکہ مکرمہ کو بغداد میں سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۱۲) مختلف صورتوں میں ہو جانا اور یہی وہ ہے جس کا نام صوفیہ حضرات عالم مثال رکھتے ہیں اور یہ حضرات عالم اجسام و عالم ارواح کے درمیان ایک درمیانی عالم اور ثابت کرتے ہیں جس کا نام انہوں نے عالم مثال رکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ وہ عالم، عالم اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے زیادہ واضح ہے اور اس پر روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے اور اس کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی بناء قائم کی ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے استنباط کیا ہے "فتمثل لها بشرا سویا" (تو ان کے واسطے جبرئیل ایک معتدل انسان بن گئے) یہ واقعہ بھی اس قبیل سے ہے جو قضیب البان موصلی سے منقول ہے یہ حضرات ابدال میں سے تھے کسی شخص نے جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تو نماز نہ پڑھنے کی تہمت لگائی تھی اور سختی سے اعتراض کیا تھا۔ آپ فوراً اس کے سامنے مختلف صورتوں میں منتقل ہوئے اور پوچھا: تم نے کون سی صورت میں مجھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا؟ کرامتوں کی اس قسم

میں بزرگوں کے بہت واقعے ہیں۔متاخرین میں سے بعض کے لئے جو واقع ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک بوڑھے درویش کو قاہرہ کے مدرسہ سلوفیہ میں ترتیب کے خلاف وضو کرتے دیکھا تو پوچھا کہ حضرت آپ ترتیب کے خلاف وضو کرتے ہیں فرمایا: میں نے تو ترتیب کے موافق ہی وضو کیا ہے مگر تم دیکھتے ہی نہیں اگر دیکھ سکتے تو ایسے دیکھتے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مکہ مکرمہ دکھا دیا، پھر اسے مکہ معظمہ لے گئے اور اس شخص نے خود کو مکہ معظمہ میں پایا۔ اور کئی سال وہیں رہے حکایت لمبی ہے جس کا بیان طویل ہو جائے گا۔

(۱۳) حق تعالیٰ کا ان حضرات کو زمین کے ذخیروں پر مطلع فرما دینا، جیسے کہ ابو تراب کے واقعہ میں ہے کہ جب انہوں نے زمین پر پیر مارا تو زمین میں سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ برآمد ہو گیا۔ ابن السبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں آئندہ کی طرح دو کرامتیں ہیں اللہ تعالیٰ کا پانی کو غیر جگہ میں پیدا فرما دینا اور زمین کا ان کے پیر مارنے والے بزرگ کی فرمانبرداری کرنا اور ایک بزرگ سے منقول ہے کہ حج کے راستہ میں پیاس لگی تو کسی کے پاس پانی نہ ملا ایک درویش کو دیکھا تو اس نے بھالے دار لاٹھی زمین میں گاڑ رکھی ہے اور اس کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے۔ انہوں نے اس میں سے اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا اور دوسرے حاجیوں کو بھی بتا دیا وہ بھی آئے اور اپنے برتن بھر کر لے گئے۔

(۱۴) زہریلی اور طرح طرح کی ہلاک کرنے والی اشیاء کا اثر نہ کرنا جیسے کہ ایک بزرگ کے لئے واقع ہوا ہے کہ ان سے کسی بادشاہ نے کہا تھا کہ تم مجھے کوئی کرامت دکھاؤ ورنہ میں تمام درویشوں کو ہلاک کر دوں گا۔ بادشاہ کے قریب کچھ اونٹ کی مینگنیاں پڑی تھیں۔ آپ نے فرمایا: دیکھو! دیکھا تو وہ سونے کی تھیں اور بادشاہ کے پاس ایک خالی پیالہ رکھا تھا۔ آپ نے لیا اور اوپر اچھالا یا پھر پونچھا اور پانی بھرا ہوا الٹا کر دیا۔ مگر اس میں سے ایک قطرہ تک نہ گرا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو جادو ہے پھر آپ نے بہت سی آگ روشن کرائی اور اشعار پڑھنے کا حکم دیا جب لوگوں پر وجد طاری ہو

گیا تو یہ بزرگ اور سب درویش آگ میں چلے گئے۔ پھر یہ نکلے اور بادشاہ کہ کے ایک چھوٹے سے بچہ کو لے کر گھس گئے اور گھنٹہ بھر تک غائب رہے قریب تھا کہ بادشاہ بھی بچہ کی وجہ سے جل جاتا مگر کچھ دیر بعد بچہ کو نکال لائے تو اس کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے میں انار تھا اس کے باپ نے پوچھا کہ تو کہاں رہا؟ بچہ نے کہا میں باغ میں تھا۔ بادشاہ کے ہم نشینوں نے کہا: یہ تو کوئی شعبدہ ہے حقیقت نہیں ہے۔ اس پر بادشاہ نے ان سے کہا کہ اگر تم زہر کے اس پیالہ کو پی جاؤ تو میں تم کو سچا مان لوں۔ آپ نے اس کو اٹھا کر پی لیا۔ آپ کے تمام کپڑے جسم کے اوپر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اسی طرح کئی بار کیا گیا حتیٰ کہ کپڑے ٹھہر گئے اور جو پسینہ آیا ہوا تھا خشک ہو گیا مگر اس زہر نے ان کے جسم پر کوئی اثر نہیں کیا۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء ص ۲۲ تا ۲۷)

نیز تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

محمد الحضرمی مجذوب

چلانے والے عجیب وغریب حالات وکرامات ومناقب والے تھے۔ کبھی کبھی چلاتے ہوئے عجیب عجیب علوم ومعارف پر کلام کر جاتے اور کبھی کبھی استغراق کی حالت میں زمین و آسمان کے اکابر کی شان پر ایسی گفتگو فرماتے کہ اس کے سننے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ آپ ابدال میں سے تھے آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھا ہے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش رہتے تھے۔ ایک بار ڈاکوؤں نے ان کے کپڑے چھین لینے کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کے ہاتھوں کو ان کے پہلوؤں میں گاڑ دیا۔ ایک شخص نے آپ کی دعوت کی اور شہد پیش کیا آپ نے تناول فرما کر یہ فرمایا: شہد کو محفوظ رکھو کہ میں لوٹ آؤں اور کوئی پندرہ منٹ غائب رہ کر لوٹ آئے اور فرمایا: ہم نے اسرود میں منبولی رحمۃ اللہ علیہ پر نماز پڑھی اور ان کو دفن کر دیا ہے۔ پھر باقی شہد تناول فرمایا آپ کی وفات ۹۰۷ھ میں ہوئی ہے اور بھنسا کے ٹیلے پر دفن کیے گئے ہیں۔ آپ کا مزار وہیں ہے لوگوں کو معلوم ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (اشرف

علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء ص ۱۸۸)

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

محمد الشربینی

شیخ بزرگ ولی صاحب کشف بڑے امام اور اولیاء کبار میں سے تھے۔ مشرقی نواح مصر کے درویشوں کی ایک جماعت کے شیخ اور صاحب حالات و مکاشفات تھے۔ تمام اطراف زمین پر ایسے کلام فرماتے تھے کہ گویا آپ کی پرورش وہیں ہوئی ہے۔ امام شعرانی کہتے ہیں کہ جب ان کے بیٹے احمد بہت کمزور ہو گئے اور موت کے قریب پہنچ گئے اور حضرت عزرائیل روح قبض کرنے کے لئے آ گئے تو آپ نے حضرت عزرائیل سے فرمایا: اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ اور ان سے رجوع کرو کیونکہ اب یہ معاملہ منسوخ ہو گیا ہے حضرت عزرائیل واپس ہو گئے اور میاں احمد تندرست ہو گئے اور اس کے بعد تیس سال تک زندہ رہے آپ کو جس چیز کی گھر وغیرہ کے لئے حاجت ہوتی ہوا میں ہاتھ کر کے لیتے اور گھر والوں کو دے دیتے تھے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ایک سیاح سے روایت ہے کہ ان کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد بلاد عجم میں تھی اور کچھ بلاد تکرور میں تھی۔ آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل وعیال کے پاس ہو آتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرما دیتے تھے اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں اور انہی متفرق صورتوں میں اور مختلف شکلوں میں آتے جاتے رہنے کی وجہ سے کسی عالم نے ان پر ترک جمعہ کا اعتراض کیا تھا۔ تو پھر ان کو مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھتے دیکھا۔ آپ کے صاحبزادہ احمد فرماتے ہیں کہ آپ اپنی لاٹھی کو فرماتے کہ ایک بہادر انسان کی صورت میں ہو جاؤ تو وہ فوراً اس صورت میں ہو جاتی اور آپ اس کو اپنے کاموں میں بھیج دیتے تھے۔ اور پھر وہ لاٹھی کی لاٹھی بن جاتی۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء ص ۲۰۲۔ ۲۰۳)

صفحات مذکورہ میں ہم نے کرامات کی جس قدر صورتیں بیان کی ہیں ان میں مردہ کو

زندہ کرنے سے لے کر لاٹھی کو آدمی بنانے تک کا ذکر آ گیا ہے۔ اسی طرح ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہونے سے لے کر موت کو ٹالنے تک کا بیان آ گیا ہے۔

یہ وہ کرامات ہیں جن کو علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع کرامات اولیاء اللہ'' میں مختلف مستند کتابوں سے جمع کیا ہے پھر ان کرامات میں سے انتخاب کر کے اشرف علی تھانوی صاحب نے ان کا اپنی نگرانی میں ترجمہ کرایا اور اس کا نام ''جمال الاولیاء'' رکھا اس اعتبار سے یہ کرامات تمام سلوف دیوبند پر حجت ہیں کیونکہ ان کو تھانوی صاحب کی مہر تصدیق و تائید حاصل ہے۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ کرامت قبولیت دعا سے بھی ہوتی ہے۔ محض اللہ تعالیٰ کے خلاف عادت فعل ظاہر کرنے سے بھی ہوتی ہے اور یہ دونوں قسمیں غیر متنازع فیہ ہیں سرفراز صاحب نے کرامت کی جس قسم کا انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا ولی خداداد طاقت سے اپنے اختیار اور کسب سے کوئی خلاف فعل عادت ظاہر کرے۔ ہم نے ''جمال الاولیاء'' میں سے یہ جس قدر کرامات ذکر کی ہیں یہ سب اسی قسم کی ہیں جس میں اولیاء اللہ نے خداداد طاقت سے اپنے اختیار اور کسب کے ذریعہ امور غیر عادیہ یا خلاف عادت افعال ظاہر کئے۔ پس ان میں کہیں دعا وغیرہ کا ذکر نہیں ہے جن کے بارے میں مخالف مذکور لکھتے ہیں: لیکن معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں نبی اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا بہ خلاف امور عادیہ کے ان میں بندہ کا اختیار ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا مولف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل حق معجزہ کو خدا تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ دہی کے مرتکب ہیں یا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے خالص جہالت اور علم و بصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی ہے۔

(اتمام البرہان ص ۴۹۔۵۰)

اب سوال یہ ہے کہ دھوکہ دہی خالص جہالت اور علم و بصیرت سے محرومی کی واضح نشانی ایسے تبرکات ہمارے ساتھ ہی مختص ہیں یا ان تبرکات میں سے، اساطین علماء اسلام اور خاص طور پر آپ کے تھانوی صاحب کو بھی کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟

معجزہ اور کرامت کے بارے میں جو مخالف مذکور نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے کسب (قصد) اور اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔ بحمد اللہ قرآن کریم، احادیث شریفہ، متعدد اسانید علماء اسلام اور سلوف دیو بند کے حوالوں سے ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے معجزات اور کرامات نبی اور ولی کے کسب اور اختیار سے بھی ثابت ہوتے ہیں اور مخالف مذکور نے اپنے زعم پر جو نا تمام اور نا مکمل حوالے پیش کئے تھے ان کی تکمیل کے ساتھ ان کا محمل بھی متعین کر دیا ہے۔

معجزہ اور کرامت کے بعد اب ہم تصرف (خداداد طاقتوں کا اظہار) پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ''توضیح البیان'' میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمھم اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تصرف ثابت کیا تھا۔ لیکن مخالف مذکور نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام کے لئے تصرف کا مطلقاً انکار کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں: یہ یاد رہے کہ ہم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء عظام کے ایسے تصرفات کے منکر ہیں جن میں ان کے فعل اور کسب کا دخل ہو اور جو فعل حقیقتاً ان کی طرف منسوب ہو جیسا کہ مولف مذکور کہتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں بلفظ ہم کہتے ہیں کہ ایسی قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہاں معجزہ اور کرامت حق ہے۔ لیکن معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی کا فعل اور کسب نہیں ہوتا وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔ جو ان کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔

(اتمام البرہان ص ۱۰۱۔۱۰۲)

چند سطر بعد لکھتے ہیں: الغرض! معجزہ اور کرامت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اہل بدعت مغالطہ کا شکار ہیں اور ایسے تصرفات صرف قلوب ہی میں نہیں بلکہ عالم میں بھی رونما ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا ان میں کسب اور دخل نہیں ہوتا اور ان میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔ (اتمام البرہان ص ۱۰۲)

مؤلف مذکور یعنی غلام رسول سعیدی نے یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء

کرام کی طرف افعال حقیقتاً منسوب ہوتے ہیں، یہ مخالف مذکور کا ہم پر خالص افتراء ہے۔ ہم نے ''توضیح البیان'' میں بھی یہی لکھا ہے: حقیقت میں ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ البتہ بندہ کسب یعنی قصد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس پر متعدد حوالوں کے ساتھ بحث گزر چکی ہے۔ معجزہ اور کرامت میں بھی بتلا چکے ہیں کہ ان میں نبی اور ولی کے کسب کا دخل ہوتا ہے۔

تصرف

مخالف مذکور لکھتے ہیں کہ تصرف خواہ بواطن قلب میں ہو یا عالم ظاہر میں اس میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے کسب کا دخل ہوتا ہے اور یہ کہ تصرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا فعل نہیں ہوتا اور نہ کسی نبی یا ولی کو اللہ تعالیٰ نے تصرف پر قدرت دی ہے (محصلہ اتمام البرہان، ص ۱۰۲) تصرف کی تشریح اور اس میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے اختیار پر ہم بعونہ تعالیٰ بادلائل بحث پیش کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق

تصرف سے مراد ہے خداداد طاقت کا ظہور یعنی اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو ایسی طاقت عطا فرماتا ہے، جس سے وہ لوگوں کے قلوب اور اس جہان میں ایسے افعال کو صادر کرتے ہیں جو عام اسباب عادیہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ لیکن باقی افعال کی طرح ان افعال کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی عزت افزائی کے لئے انہیں خلاف عادت قوت اور طاقت عطا فرماتا ہے اور اسی خداداد طاقت سے امور غیر عادیہ کے اظہار کو تصرف کہا جاتا ہے۔

آیئے! اب قرآن کریم کی روشنی میں دیکھیں کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کو یہ تصرف (خداداد قوت) حاصل ہے یا نہیں؟

تھانوی صاحب اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي	(حضرت سلیمان علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر

بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ﴿۳۶﴾ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ ۔(ص:۳۵۔۳۹)

نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے ہیں نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ دو یا نہ دو تم سے کچھ دارو گیر نہیں۔

ان آیات کی تفسیر میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

یعنی جتنا سامان ہم نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو خازن و حارس نہیں بنایا جاتا جیسا دوسرے ملوک خزائن کے مالک نہیں ہوتے بلکہ تم کو مالک ہی بنا دیا ہے مالکانہ تصرفات کے مختار ہو۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بیان القرآن ج ۲ ص ۸۸۹)

غور فرمایئے! تھانوی صاحب نے اپنی اس تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں اور جنات میں مالکانہ تصرفات کا مختار قرار دیا ہے۔ بنابریں یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مطلقاً تصرف حاصل نہیں ہوتا؟

یہ تو عالم ظاہر میں تصرف پر دلیل ہے اور باطن میں انبیاء علیہم السلام کے تصرف پر یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قرأۃ انکرتھا علیه ثم دخل اخر فقرء قرأۃ سواء قرأۃ صاحبه فلما قضینا الصلوۃ دخلنا جمیعا علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ان ھذا قرء قرأۃ سوی قرأۃ صاحبه

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اس نے نماز میں اس طرح قرآن پڑھا جو میرے لئے نیا تھا۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے پہلے سے بھی مختلف طریقہ پر قرآن پڑھا۔ جب ہم سب نے نماز پڑھ

فامرهما رسول الله ﷺ فقرأ فحسن النبی ﷺ شانهما فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذکنت فی الجاهلیة فلما رای رسول الله ﷺ ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا و کانما انظر الی الله عزوجل فرقا فقال لی یا ابی ارسل الی ان اقرأ علی حرف فرددت الیه ان هون علی امتی فرد الی الثانیة اقراءه علی حرفین فرددت الیه ان هون علی امتی فرد الی الثالثة اقراۂ علی سبعة احرف الحدیث۔ (امام ابوالحسین مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۳)

لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: اس شخص نے اس دوسرے شخص کے مخالف طریقہ پر قرآن پڑھا ہے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو حکم دیا ان دونوں نے قرآن پڑھا اور حضور ﷺ نے ان دونوں کی تحسین کی۔ اس وقت میرے دل میں زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ حضور ﷺ کی تکذیب واقع ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے دل کی حالت کو دیکھا تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور یوں لگتا تھا جیسے میں اللہ عزوجل کے سامنے خوف زدہ کھڑا ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی! پہلے قرآن صرف ایک لغت پر نازل ہوا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت پر آسانی فرما پھر مجھے دو لغتوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی پھر میں نے تیسری بار دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے سات لغات پر پڑھنے کی اجازت دی۔

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ حضور ﷺ جب ابی بن کعب کی دلی حالت پر مطلع ہوئے تو آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا جس کے اثر سے ان کے دل سے تکذیب یا اس کا وسوسہ زائل ہو گیا اور جب انہوں نے حضرت حق کا مشاہدہ کیا تو سابقہ وسوسہ پر پانی

پانی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں پر تصرف کرنے کی یہ واضح دلیل ہے۔

تھانوی صاحب نے قاسم نانوتوی صاحب کی کرامت کے ذکر میں لکھا ہے: منصور علی، نانوتوی صاحب کے شاگرد تھے۔ منصور علی ایک لڑکے کے عشق میں گرفتار ہو کر بالکل بے کار ہو گئے۔ جب اس کی محبت کے اثر نے انہیں بالکل عاجز کر دیا۔ تو وہ نانوتوی صاحب کی خدمت میں آئے (محصلہ) آگے آپ تھانوی صاحب کی زبان سے سنیے۔

میں ایک دن تنگ آ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا کیا کروں اور کہاں جاؤں آخر عاجز آ کر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مودب عرض کیا کہ حضرت میری اعانت فرمایئے۔ عاجز ہو چکا ہوں ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے تو ہنس کر فرمایا۔ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے بس جوش ختم ہو گیا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بے کار ہو گیا، نکما ہو گیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لئے میری امداد فرمایئے فرمایا بہت اچھا۔ بعد نماز مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں میں نماز پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب! میں نے عرض کیا: حضرت حاضر ہوں میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا فرمایا کہ ہاتھ پھیلاؤ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بانٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور یہ خوف طاری نہیں ہوا تھا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گزر گیا۔ اور حضرت برابر میری ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی فرمایا جاؤ میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں فرمایا: اللہ کا شکر کرو والحمدللہ علی ذالک۔ (اشرف علی تھانوی متوفی

۱۳۶۲ھ، ارواح ثلثہ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴)

اس حکایت میں غور فرمایئے! نانوتوی صاحب نے مولوی منصور علی کی درخواست کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگی بلکہ اپنی ہتھیلی اس کی ہتھیلی پر رگڑ کر اس کو عرش کے نیچے پہنچا دیا اور جلوہ حق دکھا کر مولوی صاحب کے دل سے اس لڑکے کی محبت نکال دی۔ اب بتلایئے! یہ دلوں پر تصرف نہیں تو اور کیا ہے اور اس عمل کے تصرف ہونے میں اب بھی تردد ہو تو اس کرامت کے تحت تھانوی صاحب کا حاشیہ پڑھ لیجئے۔ لکھتے ہیں:

حاشیہ حکایت (۲۵۱) قولہ عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں الخ یہ ایک اثر تھا کہ مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، ارواح ثلثہ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴)

ابی بن کعب کے سینہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مارنے سے جوان کے قلب کی کیفیت بدل گئی اگر صرف ہم اس کو تصرف کہتے تو آپ نجانے کیا کیا تاویلات کر کے ہمیں جاہل، کوتاہ فہم، علم وحکمت سے عاری اور نہ جانے کیا کیا کر ڈالتے۔ لیکن اب آپ کے تھانوی صاحب نے نانوتوی صاحب کے تصرف کو ثابت کرنے کے لئے اسی حدیث ''مسلم'' میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تصرف مان لیا ہے تو اب آپ کیا کہیں گے؟

آیئے! تھانوی صاحب کی زبان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلوں پر تصرف کا ایک اور واقعہ آپ کے پیش خدمت کر دیں۔

تصرف کی سرخی قائم کر کے لکھتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تصرف کا ثبوت

روی الترمذی فی ماجاء فی السجدۃ فی النجم عن ابن عباس قال سجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فیها یعنی النجم والمسلمون والمشرکون والجن و الانس الحدیث وکثیرا مایقع السوال

امام ترمذی نے ''باب ماجاء فی السجدۃ فی النجم'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ نجم پڑھ کر سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں اور مشرکوں

عن سبب سجدة المشركين و اقرب الاجوبة عندی کونها بتصرف النبی ﷺ و فیه اثبات التصرف ولو قليلا من الكاملين لا سيما النبی ﷺ۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بادر النوادر ص ۱۹۱)

نے بھی سجدہ کیا۔ مشرکین کے سجدہ کے بارے میں اکثر سوال کیا جاتا ہے اور میرے نزدیک اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے تصرف کے سبب تھا اور اس حدیث میں کاملین کے تصرف کی دلیل ہے۔ خصوصاً حضور ﷺ کے لئے خواہ یہ تصرف کم مقدار میں ہی ہو۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تصرف کو ثابت کرنے کے بعد ہم آپ کے سامنے اولیاء کرام کا تصرف پیش کرتے ہیں اور اس مرتبہ بھی ثبوت کے لئے پہلے تھانوی صاحب ہی کے حوالہ جات پیش کر رہے ہیں۔

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

(۱۶) تصرف: یہ جماعت اولیاء سے بہت ہی منقول ہے بیان کیا جاتا ہے کہ بارش ایک بزرگ کے پیچھے پیچھے چلا کرتی تھی اور متاخرین میں ایک بزرگ شیخ ابوالعباس شاعر ہوئے ہیں وہ بارش کو کچھ درہموں کے بدلہ فروخت کیا کرتے تھے اور ان سے اس باب میں اس قدر واقعات روایت ہیں کہ عقل کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال اولیاء ص ۲۴)

بارش کا ہونا نہ ہونا امور تکوینیہ میں سے ہے۔ مخالف مذکور اس کا اختیار نبی کے لئے بھی مانتے اور تھانوی صاحب لکھتے ہیں ابوالعباس بارش کو بیچتے پھرتے تھے۔

نیز تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

فقیہ حسین ابدال نے اپنی ''تاریخ'' میں بیان کیا ہے کہ جب شیخ علی الابدال کا انتقال ہوا تو شیخ ابو الغیث بن جمیل ان کی تعزیت کے لئے آئے اور یہ سب لوگ اپنے شیخ علی الابدال مذکور کے گاؤں ہی میں مقیم تھے۔ شیخ علی نے کہہ دیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے اور وصیت کی تھی کہ وہ اس مقام پر ٹھہریں نہیں اس لئے جب تیسرا دن ہوا شیخ محمد الحکمی نے شیخ

ابوالغیث سے عرض کیا کہ آج رات آپ اور آپ کے درویشوں میں سے کوئی یہاں نہ ٹھہرے کیونکہ آپ لوگوں میں جو رات کو یہاں رہے گا وہ مر جائے گا۔ شیخ ابوالغیث اور ان کے سب ساتھیوں نے تو جانے کا ارادہ کر لیا لیکن ایک شخص محمد حکمی کی بات کو بعید سمجھ کر رہ گیا اور شام کو وہیں رہا تو صبح کو مرا ہوا پایا گیا۔ شیخ محمد نے کہا: اسی طرح شیخ ابوالغیث کیے جائیں گے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کے واسطے تہامہ میں سکونت نہیں ہے۔ تو شیخ ابوالغیث تہامہ میں ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ یہاں تک کہ شیخ محمد الحکمی کا انتقال ہو گیا۔ پھر سولہ سال پہاڑوں میں رہے اور روایت کیا جاتا ہے کہ شیخ ابوالغیث جب کبھی اترنے کا ارادہ کرتے شیخ محمد حکمی ان کے حالات پر کچھ تصرف کر دیتے۔ جب شیخ حکمی صاحب کا انتقال ہو گیا تو یہ اپنے پیروں میں سے کوئی چیز بیڑیوں کی طرح کھول رہے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اس کے اثر سے ہے جو شیخ محمد حکمی رحمۃ اللہ علیہ ہم پر تصرف کیا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۶۱۷ھ میں ہوا ہے۔ (اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ، جمال اولیاء ص ۲۵)

تھانوی صاحب نے اس واقعہ میں شیخ محمد حکمی کے جس قسم کے تصرف کو ثابت کیا ہے کہ وہ جس جگہ کے بارے میں چاہتے تو کسی کو رہنے نہ دیتے اور اگر کوئی شخص رہ جاتا تو زندہ نہ رہتا اس کے علاوہ شیخ ابوالغیث پر ایسا تصرف کیا وہ سولہ سال پہاڑوں میں جکڑے رہے تصرف کے یہ واقعات ان لوگوں کے لئے دیدہ عبرت ہیں جو لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لئے تصرف ماننے کو شرک سے کم نہیں کہتے۔

تھانوی صاحب ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی المجد المرشدی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور یہ حضرت رشدی صاحب ولایت میں تصرف فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابو العباس سبتی تصرف فرماتے تھے خدا تعالیٰ ہم سب کو ان دونوں سے نفع پہنچائے مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات رمضان ۷۳۷ھ میں ہوئی اور اپنے حجرہ میں منیۃ المرشد میں مدفون ہیں۔ (اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ، جمال اولیاء، ص ۱۳۲)

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

محمد شمس الدین حنفی

مصری وشاذلی ہیں مصر کے جلیل القدر مشائخ سادات عارفین طریق کے ارکان اور استادوں کے صدر اکابر ائمہ زبردست علماء میں سے ہیں منجملہ ان بزرگوں کے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عالم وجود میں ظاہر فرما کر عالم تکوین میں تصرف عطا فرمایا مغیبات سے گویا کیا خبر عادات اور قلب ماہیات دیا اور ان پر عجائب کو ظاہر فرمایا لوگوں نے ان کے حالات میں مستقل تالیفیں کی ہیں۔ (اشرف علی تھانوی التوفی ۱۳۶۲ھ، جمال اولیاء ص ۱۵۸)

دیکھ لیجئے! تھانوی صاحب نے محمد شمس الدین حنفی شاذلی کے بارے میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے کہ اگر ہم ان میں سے ایک چیز بھی حضور ﷺ کے لئے مان لیں تو سلوف دیوبند ہم کو کافر اور مشرک سے کم نہیں کہتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وحقیقت آنست که آنچه مرید از شیخ تعلیم و استفاده نموده است علوم و قواعد و آداب و سلوک است و تصرف نیز که شیخ مرید کرده۔	اور حقیقت یہ ہے کہ مرید جو شیخ سے تعلیم و استفادہ کرتا ہے وہ علوم اور قواعد اور آداب اور سلوک میں اور تصرف بھی شیخ مرید میں کرتا ہے۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، شرح فتوح الغیب ص ۱۰۲)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بیرون آمدن از بیضهٔ بشریت کنایت ازاں است و موقوف است بجریان عادت برتربیت و تصرف شیخ کامل۔	بشریت کے خول سے باہر آنا بطور عادت شیخ کامل کی تربیت اور اس کے تصرف پر موقوف ہے۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ شرح فتوح الغیب ص ۱۰۴)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

و حجة الاسلام امام محمد غزالی گفته هر که استمداد کرده شود بوئے در حیات استمداد کرده مے شود بوے بعد از وفات و یکے ازمشائخ عظام گفته است دیدم چهار کس راز مشائخ که تصرف مے کنند در قبور خود مانند تصرف هائے ایشان در حیات خود یا بیشتر و شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر راز اولیاء شمرده و مقصود حصر نیست آنچه خود دیده و یافته است گفته و سیدی احمد بن مرزوق که از اعاظم فقهاء و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت که روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید که امداد حی قوی است یا امداد میت من گفتم قومے مے گویند که امداد حی قوی تر است و من می گویم که امداد میت قوی تر است شیخ گفت نعم۔

اور حجت الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا: جن سے زندگی میں امداد حاصل کی جاتی ہے ان سے وفات کے بعد بھی امداد حاصل کی جاتی ہے۔ مشائخ عظام سے بعض نے کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح وہ اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ایک شیخ معروف کرخی اور دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہما اور ان کے علاوہ دو کا اور نام لیا اور ان کا مقصد ان چار کو حصر کرنا نہیں تھا بلکہ محض اپنے مشاہدہ کو بیان کیا اور سیدی احمد بن مرزوق جو کہ دیار مغرب کے عظیم فقہاء و علماء میں سے ہیں ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی؟ میں نے کہا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد زیادہ قوی ہے۔ پس شیخ نے کہا کہ ہاں۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج۱ ص۷۱۵)

اس عبارت میں صاف طور پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اولیاء کرام کے لئے

تصرف ثابت کیا ہے۔خواہ وہ زندہ ہوں یا قبر میں۔

اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

ومنهم ختم دائرة الولاية قطب الوجود سیدی محمد شاذلی البکری الشهیر بالحنفی الفقیه الواعظ احد من صرفه الله تعالیٰ فی الکون و مکنه من الاحوال و نطق بالمغیبات و خرق له العوائد و قلب له الاحیان۔ (علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۰۵۲ھ، ردالمحتار ج ا ص ۴۲)

اور اولیاء حنفیہ میں سے دائرہ ولایت کے خاتم سیدی محمد شاذلی بکری حنفی ہیں اور یہ ان اولیاء میں سے ایک ہیں۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے امور تکوینیہ میں تصرف عطا کیا تھا۔اور انہیں احوال بدلنے پر قادر کر دیا تھا انہوں نے غیب کی خبریں دیں اور ان کے ہاتھ پر خلاف عادت افعال اور انقلاب حقائق واقع کئے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر سلوف دیو بند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً اعتماد کرتے ہیں اور ان کے بہ کثرت حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔''تفہیمات الٰہیہ'' کا شاہ صاحب کی تصنیف ہونا تو مشتبہ ہے لیکن ''انفاس العارفین'' ان کے آخری دور کی تصنیف ہے اس کے اخیر میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے حالات بھی لکھے ہیں۔ولی اللہی مسلک کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔اگر اس کتاب کے مندرجات کے خلاف کوئی شخص شاہ صاحب کا کوئی قول پیش کرے گا۔تو اگر اس کی اس کتاب کے مطابق تاویل ہو سکے گی تو تاویل کی جائے گی ورنہ اس کے قول کو رد کر دیا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ یہ شاہ صاحب کا قول نہیں ہے الحاقی عبارت ہے۔اس تمہید کے بعد ہم قارئین کے سامنے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصرف اولیاء کے بارے میں تصریحات پیش کرتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک منکر ولایت کا حال لکھتے ہیں:

بعد از مدت ایں جا نیز شکے و اضطرابے پیدا کرد و هم چنیں بخدمت درویشاں مے رفت و انکار

کافی مدت بعد ادھر سے بھی اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہوا۔اسی طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا رہا اور انکار کرتا

مے کرد منتفع نمے شد روزے پیش من آمد گفت هیچ کس صاحبے تصرفے نیست بروے تاثیرے کردم بے خود گشت و دراں غیبت واقعه دید گویا خلعت سبز بوئے عطا نموده اندچوں بافاقت آمد همه واقعه اورا بگفتم اعتراف نمود اما اگر انکار جبلی باشد چه گونه گونه منقطع گردد کاتب حروف گوید ایں واقعه دراز است اما مر ابجز ایں کلمه که خلعت سبز پوشانیدن است محفوظ نمانده والله اعلم از حضرت ایشان اجمالا واز بعضے یاراں تفصیلا شنیده ام که در بعض از حالات غلبه به بزے توجه نمودند او را حالت عجیبه افتاد چند روز شعور علف وآب نداشت و باآخر بمرد۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ص ۵۴)

رہا اور اس سبب سے کوئی نفع حاصل نہ کرسکا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے، یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بےخود ہوگیا اور اسی بےخبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا ہوا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس نے واقعہ سن کر اعتراف کیا مگر فطرتاً منکر ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کرسکا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتے ہیں کہ یہ واقعہ طویل ہے مگر مجھے سبز خلعت پہنانے والا جملہ تک ہی یاد رہ سکا ہے واللہ اعلم۔ حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) سے اجمالاً اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہوگئی، کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مرگئی۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے دو تصرف بیان کیے ہیں۔ ان میں دعا یا توجہ الی اللہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ محض خداداد قوت کا اظہار اور مخلوق پر اثر مرتب کرنے کا بیان ہے اور اسی کو تصرف کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کے ایک مکتوب کا کچھ حصہ نقل کیا اور اس کا آخری حصہ یہ ہے:

و قصه بزرگان این طریقه و متاثر شد حیوانات که تواتر رسیده و مشاهدات کثیر واقع شده لیکن از بعضے اکابر آں وقت تصرف ظاهر شود که مامور شوند از بعضے آن وقت کے مغلوب نسبت شوند از بعضے اکملین هر وقتے که ایشاں بخواهند و عجب ترآنکه در ایام جوانی بعض یاران وقت توجه چناں متاثر شدند که جثه ایشاں در هوا رفت و باز بر زمین آمد توقع که چند مدت در دوام این نسبت جدو اجتهاد نمایند که بحر دوام رسد که اثر در جمیع یاران خواهد شد۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ۷۲۔۷۳)

بزرگان طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ مامور ہوتے ہیں۔ بعض فقراء مغلوب النسبت ہو کر ایسے آثار دکھاتے ہیں اور بعض کاملین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرف دکھا سکتے تھے۔ یہ عجیب بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلہ میں مجاہدات اور کوشش کریں گے تاکہ آپ کو اس میں دوام اور پختگی حاصل ہو اور آپ کے تمام احباب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو۔

اس اقتباس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں ایک یہ کہ اولیاء کرام کا تصرف اور تاثیر تواتر سے ثابت ہے اور دوسرے بات یہ پتہ چلی کہ تصرف کرنا اولیاء اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں جس پر چاہتے ہیں تصرف کر دیتے ہیں اور یہ بات شاہ ولی اللہ لکھ رہے ہیں جو تمام سلوف دیوبند کے ماوی وملجا ہیں۔

نیز شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے ملفوظات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیخ عبدالاحد روایت تصرفات بعض اسلاف خود بیان مے کردند و حاضران گمان نمودند که ایں قسم تصرف از خواص ایشاں بوده است حضرت ایشاں بوده است حضرت ایشاں بیارانے که درصحبت ایشاں بودند اشارت کردند که فلاں و فلاں قصه بیان کنند آنچه تصرفات ایشاں بچشم خود دیده بودند بیان کردندو مضمون ما شنیده کے بود مانند دیده اظهار نمودند و شبه مرتفع شدو اشکال نماند۔

شیخ عبدالاحد ایک دن اپنے کچھ بزرگوں کے تصرفات بیان کررہے تھے۔ جس سے حاضرین نے سمجھا کہ اس قسم کے تصرفات صرف انہی کے بزرگوں کا خاصہ ہے۔ حضرت والا نے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں کو اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کرو۔ انہوں نے حضرت والا کے جو تصرفات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، بیان کیے اور ''شنیدہ کے بود مانند دید'' کا سماں باندھ دیا۔ اس سے لوگوں کا شک مٹ گیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

نیز شاہ ولی اللہ شیخ ابوالرضا کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

استماع افتاد که حضرت ایشاں رادر صغر سن چوں درمهد خوا بانیدند کسے از متصدی تحریک مهد ایشاں مے شد مردم چونکه مهدرا دیدند که متحرک است و نزدیک وے کسے نیست تعجبائے کودندو نیز استماع افتاد که مردے از جن مامش عبدالله از حضرت ایشاں علوم مے آموخت و معارف استماع مے

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو زمانہ طفولیت میں جب جھولے میں سلاتے تھے۔ تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا چلتا رہتا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبداللہ نامی ایک جن آپ سے علوم و معارف کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر

کرد حضرت ایشاں مے فرمودند کہ پیش من مے آبد جمیع احوال و افعال وے برمن منکشف مے گردویک بار منکر پیش من آمد و خواست کہ برمن حملہ کند بروئے تصرفے قھرے کردم آتشے دید نزدیک بود کہ سوختہ گردد توبہ کرد والحاح تمام نمود ازاں مہلکہ خلاص کردم

روشن کر دیئے جاتے تھے۔ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا میں نے اس سے کہا: اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصہ میں اپنی تلوار نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرف ڈالا تو اسے آگ نظر آئی قریب تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو جاتا اس نے توبہ وزاری کی اور میں نے اسے ہلاکت سے بچالیا۔

(شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ص ۹۳)

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ حضرت شیخ ابوالرضا کے سلسلہ حالات میں تصرف کا ایک اور واقعہ لکھتے ہیں:

حافظ عنایت اللہ حکایت کرد کہ مردے تحصیل کردہ بود و بمجادلہ و مذاکرہ شغفے تمام داشت روزے مرا گفت ہیچ کس را از فضلاء ایں بلدنہ دیدم مگر کہ بروئے غالب آمدم گفتم گاھے حاضر شدہ مجلس شیخ ابو الرضاء محمد و زیارت کردہ ایشاں عوام را از تفسیر حسینی وعظ و تذکیر مے کنند و ایشاں را فضیلت نیست گفتم چنیں مگو ایشاں را زیارت کن تا کمال علم و حال ایشاں معلوم کنی در جمعہ آئندہ در مجلس

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث و تکرار اور مذاکرہ سے انتہائی دلچسپی رکھتا تھا۔ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام فاضل علماء کو مغلوب کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا: سنا ہے کہ وہ عوام کو "تفسیر حسینی" پڑھ کر سناتے اور اسی سے وعظ کہتے ہیں وہ کوئی صاحب فضیلت نہیں ہیں۔ میں نے کہا: نہیں! ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کا کمال علم اور

وعظ درآمد و در دل او خلجان کرد که*مناظره نماید حضرت ایشان برخطره وے مشرف شدند درو ے تاثیر کردند و علم وے سلب نمودند چنانکه هیچ قاعده از صرف و نحو بر حافظه او نه ماندتابه دیگر علوم چه رسید و از فهم کلام عاجز شد و آنست که ایں حالت بتصرف حضرت ایشاں واقع شده است ندامت کرد وتوبه نمود بحسب باطن بجناب ایشاں تضرع کرد حضرت ایشاں او را علم او داند و بحال اول باز آوردند۔ پس اظهار نیامندی کرد فرمودند که من عالم نیستم تذکیر مے کنم عوام رااز تفسیر حسینی در نیاز مندی زیاده کرد و گفت توبه کردم از قول و اعتقاد خود و مے خواهم که به حشما بیعت کنم حضرت بیعت او گفتند الواح منقشه به کار نمے آید۔

(حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ص ۹۴)

سیرت تم پر واضح ہو سکے۔ اگلے جمعہ وہ مجلس وعظ میں آیا اور اس کے دل پر یہ خیال گزرا کہ مناظرہ کرے حضرت شیخ نے اس کے خیالات سے مطلع ہو کر تاثیر کے ذریعہ اس کا علم سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ اور علم بجائے خود، صرف ونحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظہ میں نہ رہا اور آپ کا کلام سمجھنے سے عاجز ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے۔ نادم ہوا، توبہ کی اور خلوص دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گریہ و زاری کی حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا۔ اور پہلی حالت بحال کر دی اس نے اظہار نیاز مندی کیا، آپ نے فرمایا: میں عالم نہیں صرف ''تفسیر حسینی'' سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں، یہ سن کر وہ اور نیاز مندی کرنے لگا اور کہا کہ اپنی بات اور عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت کر لوں۔ حضرت والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا اور فرمایا: لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آسکتیں۔

اشرف علی تھانوی صاحب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات بیان کرتے ہوئے۔

لکھتے ہیں:

(ملفوظ نمبر ۲۲۴) فرمایا کہ ایک موحد سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوہ وغلیظ ایک ہیں تو دونوں کو کھاؤ انہوں نے بشکل خنزیر ہو کر گوہ کو کھالیا۔ پھر بصورت آدمی ہو کر حلوہ کھایا اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے۔ (حاشیہ) قولہ انہوں نے بشکل خنزیر ہو کر گوہ کھالیا اقوال اس معترض کی عبارت کے سبب اس تکلف وتصرف کی ضرورت پڑی ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ اتحاد مرتبہ حقیقت میں ہے نہ کہ احکام وآثار میں۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، امداد المشتاق ص ۱۰۱)

تھانوی صاحب نے حاجی امداد اللہ صاحب کے ملفوظ پر حاشیہ لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ موحد صاحب خود تصرف کرنے پر قادر تھے۔

(ملفوظ نمبر ۲۷۹) فرمایا کہ میرے حضرت یعنی میاں جیون صاحب باوجود اخفاء حال کے ایسا تصرف قوی رکھتے تھے کہ جس سے عقل حیران ہو جاتی تھی۔ حافظ محمود صاحب مولانا مولوی مملوک علی صاحب ایک مرتبہ حضرت پیر ومرشد کی خدمت میں بعد بیعت کے حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجھے تصور شیخ کی اجازت دیجئے تا کہ تصور شیخ کیا کروں حضرت نے فرمایا کہ جب محبت وعقیدت غلبہ کرتی ہے تب تصور شیخ کون کرتا ہے؟ غلبہ محبت سے تصور شیخ خود بخود بڑھ جاتا ہے۔ حضرت کے اسی فرمانے سے ایسا تصور شیخ ان پر غالب ہوا کہ ہر جگہ صورت شیخ کی نظر آتی تھی۔ چلتے چلتے حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے کہ صورت شیخ کی سامنے کھڑی ہے جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں بھی صورت شیخ موجود ہے نماز میں سجدہ کی جگہ صورت شیخ دیکھ کر نماز کی نیت توڑ دیتے تھے۔ حضرت سے عرض کیا کہ اب تو نماز پڑھنی مشکل ہو گئی ہے کس کی نماز پڑھیں؟ حضرت کی ادنیٰ توجہ سے جیسے یہ حالت پیدا ہوئی تھی اور دوسری حالت ہو گئی۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، امداد المشتاق ص ۱۱۲)

''الافاضات الیومیہ'' میں اشرف علی تھانوی صاحب کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں جو ان کی زندگی میں ان کی نظر ثانی واصلاح کے بعد شائع ہوتے رہے اور اس کتاب کو انہیں کی تصنیف کی حیثیت سے چھاپا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے:

اس مجموعہ کا نام ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تجویز کیا گیا ہے جس کے اجزاء ان شاء اللہ تعالیٰ مثل دیگر مسودات ضبط شدہ بعد نظر اصلاحی حضرت اقدس وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہے کہ ساتھ کے ساتھ ان ''افاضات'' اور ان کی اشاعت ماہانہ کا بھی انتظام ''رسالۃ النور'' میں شروع ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے تازہ بتازہ ملفوظات ہدیہ مشتاقین ہوتے رہیں گے جن سے ان شاء اللہ غائبین کو حضوری کا حاضرین مجلس کو جو بالمشافہ بھی سن چکے ہیں قند مکرر کا لطف حاصل ہوگا۔ نصف شوال ۱۳۵۰ھ۔

(حافظ جلیل احمد، تمہید الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۷)

اس تمہید اور تعارف کے بعد تصرف کے سلسلہ میں اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات سنیے۔

ملفوظ نمبر ۴۹

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ کبائر میں مبتلا ہیں۔ گناہوں کو اختیار کرتے ہیں ان کو خوف اور خشیت کا استحضار نہیں بڑی ہی خطرناک بات ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ قیامت میں ہر عمل کی ہیئت مشاہد ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبیہ سے زنا کیا تھا ویسے ہی زنا کرتا ہوا قیامت میں نظر آئے گا اعمال سے ایک خاص ہیئت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی دنیا میں بعض اہل اللہ اور خاصان حق پر وہ ہیئت منکشف ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا آپ نے اس شخص کو سنانے کے لئے فرمایا کہ بعض لوگ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں سے زنا ٹپکتا ہے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ایک بزرگ ہیں حضرت سید احمد کبیر رفاعی بہت بڑے اولیاء کبار میں سے ہیں۔ مگر حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے برابر مشہور نہیں ہوئے۔ بزرگوں کی باتیں بھی عجیب وغریب ہوتی ہیں یہ بھی مختلف الاحوال ہوتے ہیں اس میں ان حضرات کی شان مشابہ انبیاء علیہم السلام کے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص مرید ہونے آیا فرمایا کہ بھائی تیری پیشانی سے شقاوت نمایاں ہے تجھ کو کیا مرید کروں؟ وہ بے چارہ مایوس ہو کر لوٹ گیا۔ حضرت کا صورت دیکھ کر فرما دینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پر ہیئت اعمال

منکشف ہوئی ہوگی۔ یہ شخص حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا صورت دیکھ کر فرمایا: آؤ بھائی میں خود بھی ایسا ہی ہوں ان کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر دونوں ہیئت منکشف ہوئیں۔ شقاوت کی بھی اور اس سے آگے سعادت کی بھی۔ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کی تسلی وتشفی کی اور طریق میں داخل کر لیا۔ چند روز میں اس شخص کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت فرمائی۔ یہ شخص حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھ کر فرمایا: آؤ بھائی میرے بھائی احمد کبیر کو اللہ نے ایسا تصرف دیا ہے۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۴۹)

اس ملفوظ میں تھانوی صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو تصرف عطا فرماتا ہے اور وہ شقاوت (بدبختی) کو سعادت (نیک بختی) میں بدل دیتے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۵

فرمایا: ایک کام کی بات آئی یہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں بزرگ کی نسبت سلب کر لی حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں دوسرا کون ہے جو اس سے سلب کرے؟ حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ کو مضمحل کر دے جس سے نشاط کی جگہ غباوت پیدا ہو جاوے مگر وہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مقاومت نہ کی پھر اضلال عمل کے سبب اس کا اثر نسبت تک پہنچ جاتا ہے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۴۹)

ملفوظ نمبر ۱۱۱ میں ایک واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پیشین گوئی، تصرف وکرامت دولت ہیں مگر سب کے لئے نہیں بلکہ بعض کے لئے یہ چیزیں حجاب ہیں۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۸۳)

ملفوظ نمبر ۱۹۰ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

یوں تو ہر امر میں دو درجہ ہیں۔ ایک عمل کا درجہ ہے اور ایک سہولت عمل کا۔ ہر شخص کا خود تو جی یہی چاہتا ہے کہ سہولت کی تدبیر بتلائی جائے مگر شیخ کی طرف سے انتظار ہوتا ہے کہ

اپنی کوشش ختم کر کے دکھلا دو جب عاجز ہو جاؤ گے تب اہل تصرف تو اپنے تصرف سے اور اہل تدبیر اپنی تدبیر سے اس کا ازالہ ان شاء اللہ کر دیں گے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۱۶۵)

ملفوظ نمبر ۱۹۴۔ فرمایا: آج کل طریق کی حقیقت سے عوام تو کیا خواص تک ناواقف ہیں اور اس بے خبری کے سبب ہزاروں غلطیوں میں ابتلا ہو رہا ہے اور غلطی کا سبب اصل یہ ہے کہ اس کی طرف کسی کو بھی توجہ نہیں اور اگر کسی کو توجہ بھی ہوتی ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ مجھ کو کچھ بھی نہ کرنا پڑے اور کام بن جائے جیسے ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک شخص بہت عرصہ تک پڑا رہا اس درمیان میں سینکڑوں لوگ آئے اور صاحب نسبت ہو کر چلے گئے۔ مگر یہ اسی خیال میں رہا کہ شیخ اپنے تصرف سے کچھ دے دیں تو لوں گا میں خود کچھ نہ کروں گا۔ شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی یا تو کسی کی اطلاع کرنے پر یا بذریعہ کشف انہوں نے صاف کہہ دیا تم خود ہی کرو گے تو کچھ ہوگا اور تصرف کا اثر نہ ضروری ہے نہ دیر پا ہے۔ مرید کو وسوسہ ہونے لگا کہ شیخ صاحب تصرف نہیں ہیں اس لئے تاویلات کرتے ہیں شیخ کو اس کی بھی اطلاع ہو گئی انہوں نے عملی جواب دینا چاہا اس شخص سے فرمایا کہ ایک مٹکا پانی کا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر رکھو اور ایک پچکاری مول لا کر ہم کو دو چنانچہ ایسا کیا گیا۔ شیخ دروازہ پر پچکاری لے کر بیٹھ گئے جو شخص گزرتا پچکاری بھر کر اس پر پانی پھینکتے تھے اس شخص نے عرض کیا اور ہولی! فرمایا کہ تم کون دخل در معقولات جو تم سے کہا گیا وہ کرو جس پر شیخ کی پچکاری کی ایک چھینٹ بھی پڑ گئی وہی "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ" پڑھنے لگا ایک ہی تاریخ میں اپنے تصرف سے شیخ نے ہزاروں کافروں کو مسلمان بنا دیا۔ پھر اس شخص کو بلا کر فرمایا: دیکھا شیخ کا تصرف مگر تجھ سے چکی ہی پسواؤں گا یا تو پیسو اور نہیں تو منہ کالا کرو۔ تب اس کی آنکھیں کھلیں اور اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی توبہ کی اور کام میں لگ گئے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

اس واقعہ کو تھانوی صاحب نے ملفوظ نمبر ۵۹۶ میں بھی درج کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے تصرف کی بحث میں ہم اب اسماعیل دہلوی کی عبارت

پیش کرر ہے ہیں! لکھتے ہیں:

القصہ جب یہ یعنی دنیا وعقبیٰ سے تبری اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جاگزیں ہو جاتی ہے اور اس کی طبیعت میں مستحکم ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فناء ارادہ اسے پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے تو عنایات غیبی اس کو برگزیدہ کر کے بہ منزلہ چیلہ خاص کے کر دیتی ہے جس طرح کے بادشاہان ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کر کے چیلہ خاص کا خطاب اسے دے دیتے ہیں۔ پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے مولا کے سامان و لباس میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاص کو حق پہنچتا ہے کہ کہے کہ ہماری سلطنت شہر کابل سے لے کر سمندر کے کنارہ تک ہے۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ والے عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے پر مطلق ماذون ومجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔ معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت مساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ ہماری طرف ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں۔ (اسماعیل دہلوی، صراط مستقیم ۱۵۷)

اس عبارت میں اسماعیل دہلوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ اہل مراتب عالیہ اہل مناصب رفیعہ (یعنی انبیاء کرام اور اولیاء عظام) تمام عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلقاً ماذون اور مجاز ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام اس کائنات میں خداداد قوت کا اظہار کرتے ہیں اور تصرف کے باب میں ہی ہمارا مطلوب ہے۔

تصرف کے مباحث کو ہم نے احادیث شریفہ، علامہ شامی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی شاہ ولی اللہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور دیوبند کے مسلم اکابر اشرف علی تھانوی اور اسماعیل دہلوی کی صاف اور صریح عبارات سے ثابت کر دیا ہے۔ اب اگر اس کے خلاف کسی کی

عبارت میں کوئی معنی پایا جائے تو وہ مؤوّل ہے۔ یعنی اس کی تاویل یہ ہوگی کہ جیسے کہ اللہ تعالیٰ بالاستقلال تمام کائنات میں مدبر اور متصرف علی الاطلاق ہے اسی طرح کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدبر اور متصرف نہیں۔ ''اتمام البرہان'' میں اس بحث میں جس قدر عبارات پیش کی گئی ہیں اس سب کا یہی محمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطاء اور دین سے اور اس کی اجازت سے اس کے مقربین اس جہان میں تصرف کرتے ہیں جس کے ثبوت میں اس قدر وافر تعداد میں حوالے اور دلائل قارئین کرام کی نظر سے گزر چکے ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ''اتمام البرہان'' میں تصرف کے خلاف عبارتوں کی جو ہم نے تاویل پیش کی ہے اور اس کا مطلب بیان کیا ہے اگر وہ مطلب معتبر نہ مانا جائے تو ان دلائل کے مقابل میں وہ تمام حوالے مردود قرار پا جائیں گے۔

تکوین

تکوین بھی ایسا موضوع ہے جس میں بعض مبتدعین دیوبند اختلاف کرتے ہیں۔ تکوین کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں عادۃً اسباب کے تحت نہیں ہوتیں (اگرچہ فی الواقع ان کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس کائنات میں کوئی پتہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا) اللہ تعالیٰ کے مقربین یعنی انبیاء اور اولیاء خداداد قوت سے ان پر لفظ ''کن'' سے یا اس کے بغیر تصرف کر کے ان کو وجود میں لے آتے ہیں امور تکوینیہ میں تصرف کی بہت سی صورتیں ہیں جو دلائل کے ضمن میں قارئین کرام پر ظاہر ہو جائیں گی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بعض مبتدعین دیوبند انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لئے تکوینی اختیارات نہیں مانتے۔ چنانچہ مخالف مذکور لکھتے ہیں:

اہل بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی اور تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے آپ تمام جہان میں تصرف کرتے ہیں، رزق تقسیم کرتے ہیں اور نفع و ضرر دینے کے مجاز ہیں معاذ اللہ اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور توحید پر ضرب کاری ہے۔ (محمد سرفراز صفدر، تنقید متین ص ۲۱۸)

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں:

جھگڑا صرف اس بات میں ہے کہ کیا آنحضرت ﷺ مافوق الاسباب طریق پر متصرف اور مختار کل تھے یا مافوق الاسباب طریق پر آپ تکوین امور میں تصرف کیا کرتے تھے؟ (محمد سرفراز صفدر، راہ ہدایت ص ۱۹۹)

سردست ہم تکوینی امور میں حضور ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء کے تصرفات کو احادیث شریفہ، مستند علماء اسلام اور خود مخالفین کے مسلم اکابر کی عبارات سے بطور ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قیل اذا اعطی الحق تعالی بعض خواصه فی هذه الدار صرف کن هل یتصرف بها ام الادب ترکه فالجواب کما قاله الشیخ فی الباب السابع و السبعین و مائة ان من ادب اهل الله تعالی اذا اعطاهم الله تعالی التصرف بلفظة کن فی هذا الدار لایتصرفون بها لان محلها الدار الاخرة و لکنهم جعلوا مکان لفظة کن بسم الله لیکون التکوین لله تعالی ظاهرا کما هو له باطنا فان قیل ان رسول الله ﷺ اکثر الخلق ادبا و قد استعملها فی بعض الغزوات فالجواب انما استعملها ﷺ فی غزوة تبوک بحضرة اصحابه بیانا للجواز ولا نه کان ماذونا له فی اظهار المعجزات و هذه المسئلة من

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس دنیا میں صرف ”کن“ عطا فرماتا ہے۔ تو کیا وہ اس حرف ”کن“ سے تصرف کرتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب شیخ محی الدین ابن عربی نے یہ دیا ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں لفظ ”کن“ کے ساتھ تصرف دیا ہے تو اس دنیا میں اس کے ساتھ تصرف نہ کریں کیونکہ اس کا محل دار آخرت ہے۔ لیکن یہ خاص بندے ”کن“ کی جگہ ”باسم اللہ“ رکھتے ہیں تاکہ جس طرح تکوین باطناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ظاہراً بھی خاص ہو جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ادب کرنے والے ہیں اس کے باوجود آپ نے بعض غزوات میں لفظ ”کن“

قبیلها فقال ﷺ کن ابا ذر کان ابا ذر وقال لعسیب النخل کن سیفافکان سیفا۔ (علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر ج ا ص ۱۴۷)

استعمال کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ تبوک میں صحابہ کے سامنے لفظ "کن" کے ساتھ بیان جواز کے لئے تصرف کیا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اظہار معجزات میں ماذون تھے اور معاملہ بھی اس قبیل سے ہے۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا: ابوذر ہو جا اور ابوذر ہو گئے اور کھجور کی شاخ کو فرمایا کہ تلوار ہو جا اور وہ تلوار ہو گئی۔

تخت بلقیس کو جو آصف بن برخیا نے ایک آن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا تھا اس کی تحقیق میں علامہ آلوسی شیخ اکبر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ان آصف تصرف فی عین العرش فاعدمه فی موضعه واوجده عند سلیمان من حیث لا یشعر احد بذالك الا من عرف الخلق الجدید الحاصل فی کل آن و کان زمان وجوده عین زمان عدمه و کل منها فی آن و کان عین قول آصف عین الفعل فی الزمان فان القول الکامل بمنزلة کن من الله تعالٰی۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، پ۱۹ ص ۲۰۵)

حضرت آصف نے بعینہٖ عرش میں تصرف کیا اور اس کو اس کی اپنی جگہ سے معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کر دیا۔ بایں طور کہ کسی شخص کو اس کا پتہ نہ چل سکا (سوا اس شخص کے جو ہر آن میں خلق جدید کو پہچانتا ہے) اور اس کے وجود کا زمانہ بعینہٖ اس کے عدم کا زمانہ تھا اور یہ سب کچھ ایک آن میں ہو گیا اور اس وقت آصف کا کہنا بعینہٖ ان کا فعل تھا کیونکہ کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے "کن" کے منزلہ میں ہوتا ہے۔

اشرف علی صاحب تھانوی حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات مع اپنے حواشی کے نقل

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱۰۷) فرمایا کہ ''قم باذنی'' قرب نوافل سے مرتبہ الوہیت میں یا کہ عروج میں پیش آتا ہے۔ جیسا کہ شمس تبریز پر گزرا اور ''قم باذن اللہ'' قرب فرائض ہے اور یہ نزول بعد العروج پیش آتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مرتبہ میں تھے اور یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اول سے شرک کو کفر کہنا اس کو بھی جہل ہے۔ (حاشیہ) قولہ ''قم باذنی'' قرب نوافل ہے۔ اقوال جس کی تعبیر اصطلاحی اس عنوان سے کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فاعل ہو اور عبد آلہ اور یہ اول سے اعلیٰ ہے۔ سو ''قم باذنی'' میں احیاء کی اسناد عبد کی طرف ہے اور ''باذن اللہ'' میں حق کی طرف تفصیل وتحقیق اس مسئلہ کی ''مسائل مثنوی'' میں مذکور ہے۔ قولہ شرک وکفر کہنا اس کو بھی جہل ہے اقوال جس کا منشاء ناواقفی فن ہے۔

تھانوی صاحب اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں:

ملفوظ نمبر ۱۰۶:

ایک اہل علم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تکوینی کارخانہ مجذوبین سے متعلق کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ان میں عقل نہیں ہوتی اس لئے تشریع کے مکلف نہیں ہوتے اور ان کی بعض خدمتیں شرع پر منطبق نہیں ہوتیں۔ مثلاً اگر مسلمانوں اور کفار میں مقابلہ ہو تو مسلمانوں کا غلبہ مقصود تشریعی ہے اور ایسا ہونا بعض اوقات خلاف مصلحت اور حکمت ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی جماعت کے سپرد کیا گیا جس کو اس سے کچھ بحث نہیں اور ایسا کام سالک کب کرسکتا ہے اور اس کو کیسے جائز ہوتا؟ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ میرا رجحان پہلے اس طرف تھا۔ مجذوبین اجتہاد نہیں کرتے محض امر صریح کے متبع ہیں اور ملائکہ کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ وہ محض نصوص کے متبع ہیں مگر حدیث جبریل: ''انه دس الطین فی فم فرعون مخافة ان تدرکه الرحمة'' سے نیز حدیث ''القاتل التائب من الذنب اختلف فیه ملائکة الرحمة والعذاب'' سے اس طرف رجحان ہو گیا کہ ملائکہ اجتہاد بھی کرتے ہیں:

''وکذا المجذوبین وزاد الرجحان بقعة الاشراق ان المجذوبین مختلفون فی احکام بقاء السلطنة وتبدیلها''۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج

ا ص ۷۹)

آخری عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ مجذوبین کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس حکومت کو چاہیں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں بدل دیں۔ سعیدی۔

ملفوظ نمبر ۳۶: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا: حضرت سنا ہے کہ یہ امور تکوینیہ مجذوبین کے متعلق ہوئے ہیں بدون عقل کے وہ کیسے کام کرتے ہوں گے؟ ان کے متعلق ہونا صحیح ہے اور گو ان میں عقل نہیں ہوتی۔ لیکن جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اس میں عقل کی ضرورت نہیں اس لئے اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ا ص ۴۰)

ملفوظ نمبر ۲۴۲ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا حقیقت ہے؟ یہ مجذوب کیسے ہو جاتے ہیں؟ فرمایا: حقیقت اس کی یہ ہے کہ کوئی وارد ایسا قوی ہوتا ہے جس سے عقل مسلوب ہو جاتی ہے اور یہ سب مجاہدہ ہی کی برکت ہے کہ یہ درجہ نصیب ہو جاتا ہے پہلے سے کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہ کرتے کیا تھے اسی وارد سے پیالہ چھلک گیا تب سب نے دیکھ لیا یہ حقیقت ہے مجذوبیت کی اور یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اور نظام کے ذمہ دار ہیں۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، الافاضات الیومیہ ج ا ص ۱۹۸)

ملفوظ نمبر ۵۴۲:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اقطاب التکوین مجاذیب زیادہ ہوتے ہیں دیوبند میں ایک ولائتی مجذوب شہاب الدین تھے۔ میرا طلب علمی کا زمانہ تھا ہم طالب علم ان کو چھیڑا کرتے تھے کہ دعا کرو کہ فلاں فلاں جاتے رہیں حالانکہ وہ تکوینا ان کے حامی تھے۔

ملفوظ نمبر ۲۶۹:

فرمایا کہ قطب التکوین کو اپنی قطبیت کا علم ضروری ہے۔ مگر قطب الارشاد کو ضروری نہیں ابدال وغیرہ بھی تکوینیات سے متعلق ہیں، قطب الارشاد میں تعدد ضروری نہیں قطب

التکوین متعدد ہوتے ہیں مگر قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک ہوتا ہے اس کا نام غوث ہے اہل کشف ان کو پہچانتے ہیں قطب التکوین دائما اور قطب الارشاد احیانا متعدد بھی ہوتے ہیں۔(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ،الافاضات الیومیہ ج ۱ص ۲۱۱)

ملفوظ نمبر ۴۳۹:

خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ چشتیوں کے بادشاہ ہیں چشتیت تو ہند میں وہیں سے جاری ہوئی۔فرمایا کہ ہندوستان میں تو سلطنت چشتیوں کی حضرت کی وجہ سے ہے ایک انگریز نے ہندوستان سے انگلستان میں جا کر کہا تھا کہ ہندوستان میں تمام سفر میں ایک بات عجائبات میں سے دیکھی کہ ایک مردہ اجمیر کی سرزمین میں پڑا ہوا تمام ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے۔فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں حضرت خواجہ صاحب کی بڑی عظمت ہے۔حتیٰ کہ ہندوؤں تک کے قلوب میں عظمت ہے۔ اجمیر میں تو اکثر ہندو حضرت کے نام کی قسم کھاتے ہیں۔سلاطین اسلام کے قلوب میں بھی عظمت کا یہی حال تھا۔اکبر بادشاہ نے کئی بار دار الخلافہ سے اجمیر تک پیدل سفر کیا ہے،یہ عظمت نہ تھی تو اور کیا تھی؟(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ،الافاضات الیومیہ ج ۱ص ۳۰۹)

استعانت واستمداد

جب انسان کسی مشکل اور مصیبت میں گرفتار ہو تو اصل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت سے نجات کے لئے دعا مانگے،اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے۔اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو جانتے ہوئے بھی ان سے صرف نظر فرما کر اس کی مصیبت دور کر دیتا ہے۔ قبولیت دعا کے لیے حضور سید المرسلین،دیگر انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور عباد صالحین کا وسیلہ پیش کرے تو اس سے دعا کی استجابت زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔سوائے ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کے مسلمانوں کا کوئی گروہ اس کا منکر نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین کو مصیبت کے وقت مدد کے لئے پکارنا اور انبیاء اور صالحین کا غیر عادی طور پر ان کی مدد کرنا یہ بھی شرعا جائز اور درست ہے اور صالحین امت کا اس پر عمل رہا ہے۔جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم اور دیگر صالحین مافوق الاسباب طور پر

امداد کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہاں کوئی سبب نہیں ہوتا اور مطلقاً اسباب کی نفی ہوتی ہے آخر یہ مقربین اللہ تعالیٰ کی جس خداداد قوت اور طاقت سے مدد کرتے ہیں وہ بھی تو ایک سبب ہے۔ اس لئے ان کا مافوق الاسباب امور میں مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام اسباب عادیہ سے ہٹ کر مدد کرتے ہیں اور اس کی وضاحت پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین کا مدد کرنا صرف ان کی خداداد قوت پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تقدیر کی موافقت کے ساتھ مشروط ہے جو اذن الٰہی کے مترادف ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے نہ چاہے انبیاء کرام اور صالحین عظام مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے پھرتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ تو (العیاذ باللہ) شرک سے بھی بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے بغیر اس کائنات میں کوئی ذرہ ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مقربین الٰہی کی امداد وہیں موثر ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام اور صالحین عظام کو جو اللہ تعالیٰ یہ طاقت عطا فرماتا ہے جس سے وہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں یہ ان کی عزت وشان دکھلانے کے لئے ہے۔ شفاعت ووجاہت (1) کو بھی اس

1۔ شفاعت وجاہت کا مطلب وہ نہیں ہے جو اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ اس کو شفاعت کی حقیقت سمجھ لینا چاہئے۔ سو سننا چاہئے کہ شفاعت کہتے ہیں۔ سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے یہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے۔ اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی شفاعت سے بچالے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کو پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے، سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگزر کر جانا بہتر ہے، اس لئے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جائیں اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے، اس کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی۔ سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جانب سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اور جو کوئی کسی نبی یا ولی کو یا امام و شہید کو یا کسی فرشتے کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصل مشرک ہے۔ (تقویۃ الایمان کلاں ص ۲۱) واقعی ایسی شفاعت شرک ہے، لیکن شفاعت وجاہت کی یہ تعریف نہیں ہے جو اسماعیل دہلوی نے اپنی عبادت سے سمجھی ہے بلکہ شفاعت وجاہت کی تعریف وہ ہے جو رئیس المتکلمین حضرت شاہ فضل حق خیرآبادی متوفی ۱۲۷۸ھ نے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش (بقیہ آگے)

لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ انبیاء کرام کی شان اور وجاہت ظاہر ہو ورنہ اللہ تعالیٰ بغیر شفاعت کے بھی تمام گنہگاروں کو بخش دینے پر قادر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت کو خود زائل کرنے پر بھی قادر ہے اور اپنے فضل سے لوگوں کی مصیبتیں دور فرماتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبین اور مقربین کی عزت وجاہت ظاہر کرنے کے لئے انہیں یہ طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے اس لئے اس کو بتوں سے استمداد پر قیاس کرنا خالص جہالت ہے کیونکہ بت ایسے وسائل ہیں جن کی قوت اور طاقت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور انبیاء کرام اور صلحاء عظام کی خداداد قوت اور طاقت پر بے شمار ادلہ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر معجزہ، کرامت، تصرف اور تکوین کی بحث میں گزر چکا ہے۔ نیز بت مشرکین کے ایسے وسائل ہیں جو خود ساختہ ہیں اور انبیاء اور صالحین ایسے وسائل ہیں جو خدا ساختہ ہیں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں قرب عطا کیا ہے اور اپنے متعلقین میں اسے عزت و امتیاز بخشا ہے، ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گناہ گاروں کی معافی کے لئے اسے بات کرنے کی اجازت ہے، اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے، اگر اس معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے رنجیدہ ہونے سے اس شخص کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اس کی عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے، یہ شفاعت وجاہت ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اسے شفاعت کرنے والے کی ناخوشی سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیونکہ شفاعت کا معنی سفارش اور وجاہت کا معنی لحاظ اور عزت ہے کسی لفظ سے ڈر اور فکر نہیں سمجھا جاتا۔ (تحقیق الفتویٰ ص ۴۳) امام فضل حق خیر آبادی نے جو شفاعت وجاہت کا معنی بیان کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مغفرت کے خیال سے رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا: اے جبرائیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے اور ان سے پوچھو کہ وہ کیوں روتے ہیں؟ پس حضور کے پاس جبرائیل علیہ السلام گئے اور دریافت کیا، حضور نے انہیں (امت کی مغفرت کی فکر سے) آگاہ کیا، جبرائیل اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ بتلایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو: ''انا سنرضیك فی امتك ولا نسوءك'' کے خلاف ہوگا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے، اس لئے شفاعت وجاہت یا شفاعت محبت کے ذریعہ گناہ گاروں کو معاف فرما کر اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کی شان وجاہت اور شان محبوبیت ظاہر فرمائے گا، ورنہ وہ شفاعت کے بغیر بھی گناہ گاروں کو بخش سکتا ہے اور بخشے گا۔ سعیدی غفرلہ

ہم نے سطور بالا میں یہ ذکر کر دیا ہے کہ مقربین کی امداد اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے موافق اس کے اذن کے تابع اور اس کی شریعت سے ہم آہنگ ہوتی ہے اس لئے یہ لغو اور دقیانوسی سوال نہیں اٹھایا جا سکتا کہ اگر انبیاء کرام ایسی ہی قوت کے حامل ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان کیوں نہیں کر دیا یا باوجود کفر کے اسے جنت میں کیوں نہیں پہنچا دیا؟ کیونکہ پہلی صورت تقدیر کے خلاف ہے اور دوسری صورت شریعت کے خلاف۔

انبیاء کرام اور صالحین عظام سے مدد طلب کرنے کا نظریہ کوئی عقیدہ قطعیہ نہیں ہے کہ اس کا ماننا ضروری ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اسے ثابت کرنے کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہو متکلمین نے بیان کیا ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں عقیدہ قطعیہ اور عقیدہ ظنیہ۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں:

ان العقائد قسمان فقسم لا بد فیه من تحصیل الیقین لوجوب الواجب وحدته و قسم ظني لایمکن فیه تحصیل الیقین کفضیلة الرسل علی الملك فلا باس فیه باتباع الظن لا جماعهم علی ایراد هذا القسم فی کتب العقائد فما یقع فی کلام بعض المتکلمین من اسقاط الادلة الظنیة فلیس بموجه۔

(علامہ عبدالعزیز پرہاروی متوفی ۱۲۳۹ھ، نبراس، ص ۲۴)

عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کے لئے یقین کا حاصل کرنا ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا واجب الوجود اور واحد ہونا۔ عقیدہ کی دوسری قسم ظنی ہے جس کے لئے یقین حاصل کرنا ممکن نہیں ہے جیسے رسولوں کی فضیلت فرشتوں پر۔ اس موضوع پر دلائل ظنیہ کی اتباع میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ متکلمین کا اجماع ہے کہ وہ اس مسئلہ کو کتب عقائد میں ذکر کرتے ہیں اس لئے بعض متکلمین کے دلائل ظنیہ کے ساقط کرنے کا جو ذکر ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اس لئے انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے استمداد اور استعانت کا مسئلہ زیادہ سے زیادہ عقیدۂ ظنیہ کے تحت آتا ہے۔ اس لئے اس کے اثبات کے لئے عقائد قطعیہ ڈھونڈنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں غیر اللہ سے استعانت کو

ناجائز اور شرک قرار دیا ہے۔ اس لئے اللہ سے استمداد کے لئے دلیل قطعی سے کم کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے مطلقاً غیر اللہ سے استعانت کو منع نہیں فرمایا بلکہ ''من دون اللہ'' کی استمداد اور استعانت سے منع فرمایا ہے اور انبیاء اور اولیاء کرام العیاذ باللہ ''من دون اللہ'' نہیں بلکہ ''من اللہ'' ہیں دوسری واضح ترین بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے مشرکین کو بتوں سے استعانت کرنے سے منع کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بت مشرکین کے خود ساختہ وسائل تھے۔ بہ خلاف انبیاء کرام اور صلحاء عظام کے کہ وہ خدا ساختہ وسائل ہیں۔ تکلیف اور مصیبت کے وقت انبیاء کرام اور صلحاء عظام کی استعانت کے جواز کے لئے یہ کافی ہے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان اس قسم کی استعانت کرتے رہے اور ہر دور کے علماء اس استعانت کو اپنی تصانیف میں نقل کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام امت مسلمہ کا اس استعانت کے جواز پر اجماع ہو گیا ہے اور اجماع سے قوی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اب ہم اس موضوع پر سب سے پہلے حدیث نبوی ﷺ پیش کر رہے ہیں۔

علامہ احمد قسطلانی لکھتے ہیں (ہم نے بعض جگہ اس روایت میں ضرورت کے پیش نظر علامہ زرقانی کی شرح بھی شامل کر دی ہے):

و فی المعجم الصغیر من حدیث میمونة انها سمعته ﷺ یقول فی متوضئه لیلا لبیک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا فلما خرج قلت یا رسول اللہ سمعتک تقول فی متوضئک لبیک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انسانا فهل کان معک احد فقال ﷺ هذا راجز بنی کعب یستصرخنی (یستغیث

(طبرانی نے) ''معجم صغیر'' میں ام المومنین حضرت میمونہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ وضو فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے دوران وضو تین بار فرمایا ''لبیک'' اور تین بار فرمایا: تمہاری مدد کی گئی۔ جب حضور ﷺ وضو کر کے آئے تو میں نے پوچھا: آپ نے تین بار ''لبیک'' اور تین بار ''مدد کی گئی'' فرمایا جیسے کسی انسان سے

به) و يزعم ان قريشا اعانت عليهم بين بكر ثم خرج عليه الصلوة والسلام فامر عائشة ان تجهزه ولا تعلم احدا قالت و دخل عليه ابوبكر فقال يا بنية ما هذا الجهاز فقالت والله ما ادري فقال والله ما هذا زمان غزو بني الاصفر فاين يريد الله ﷺ قالت والله لا علم لي قالت (ميمونة) فاقمنا ثلاثا ثم صلى الصبح في الناس فسمعت الراجز ينشده يا رب اني ناشد محمدا حلف ابينا و ابيه الاتلدا ان قريشا اخلفوك الموعد و نقض ميثاقك الموكد و زعموا ان ليست دعوا احدا فانصرهاك الله نصرا ابدا و ادع عباد الله ياتوا المدد فيهم رسول الله قد تجردا ان سيم خسفا وجهه تربدا قال في القاموس و تربد يعني بامر تغيرا انتهى و زاد ابن اسحق هم بيتونا بالوتير هجرا و قتلنا ركعا و سجدا و زعموا ان لست ادعوا احدا وهم اذل و اقل عددا فقال له رسول الله ﷺ نصرت يا عمرو بن سالم فكان ذالك ماهاج فتح مكة و قد ذكر البزار من حديث ابي هريرة

گفتگو کر رہے ہوں۔ کیا آپ کے ساتھ کوئی شخص تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنوکعب کا ایک شخص تھا جو رزمیہ شعر پڑھ کر مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنوبکر کی مدد کی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو سفر کی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا: اس بات کی کسی کو خبر نہ دینا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا: اے بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا کی قسم! مجھے کوئی علم نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! یہ زمانہ رومیوں سے جنگ کا نہیں ہے پھر حضور ﷺ کہاں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا کی قسم! مجھے کوئی علم نہیں۔ حضرت میمونہ کہتی ہیں: ہم تین دن مدینہ میں ٹھہرے پھر تیسرے دن حضور ﷺ نے صبح کی جماعت کرائی تو میں نے ایک شخص کی آواز سنی جو یہ رزمیہ اشعار پڑھ رہا تھا: اے رب! میں محمد ﷺ کو اپنے اور ان کے آباء کی مدد کے لئے بلا رہا ہوں، وہ حملہ کیوں نہیں کرتے؟ بے شک قریش نے

(باسناد حسن موصول)۔

(علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ، مواہب اللدنیہ مع زرقانی ج۲ ص۲۹۰۔۲۹۲)

(محمد ﷺ) آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور انہوں نے مضبوط معاہدہ کو توڑ پھینکا ہے اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ہماری مدد کے لئے کسی کو نہیں بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے۔ آپ ہماری ہمیشہ مدد کریں، دیگر اللہ کے بندوں کو بلائیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ ہوں اور جب حضور ﷺ ان معاہدہ شکن لوگوں سے جنگ کریں گے تو آپ ﷺ غضب ناک ہوں گے اور آپ کا مبارک چہرہ متغیر ہو جائے گا۔ اور ابن اسحاق نے ان اشعار کا بھی اضافہ کیا ہے: ان معاہدہ شکن لوگوں نے ہم پر شب خون مارا جب کہ بعض رکوع اور سجود کی حالت میں تھے اور ان سب کو قتل کر دیا اور انہوں نے گمان یہ کیا کہ میں مدد کے لئے کسی کو نہیں بلاؤں گا، حالانکہ وہ ذلیل اور کم تعداد میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی۔ یہ واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔ محدث بزار نے بھی اپنی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اشعار بیان کیے ہیں اور اس حدیث کی سند حسن اور متصل ہے۔

حضور ﷺ نے بنو کعب کے جس شخص کی فریادسنی وہ شخص اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ حضور ﷺ نے خداداد قوت سے دور سے بطور امور غیر عادیہ کے اس کی فریادسنی اور اس کی مدد فرمائی۔

چنانچہ اس کی شرح میں علامہ زرقانی تحریر فرماتے ہیں:

ففی اخبارہ بہ قبل قدومہ علم من اعلام النبوۃ باھر فاما انہ اعلم بذالك الوحی و علم ما یصورہ الراجزنی نفسہ او یکلمہ بہ اصحابہ فاجابہ بذالك او انہ کان یرتجز فی سفرہ و اسمعہ اللہ کلامہ قبل قدومہ بثلاث ولا بعد فی ذالك فقد روی ابو نعیم مرفوعا انی لا سمع اطیط السماء وما تلام ان تئط الحدیث۔ (علامہ محمد عبدالباقی متوفی ۱۱۲۲ھ، زرقانی شرح مواہب ج ۲ ص ۲۹۰۔۲۹۱)

حضور ﷺ نے جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اس فریادی کے آنے سے پہلے اس کی فریاد کی خبر دی۔ یہ حضور ﷺ کے علم نبوت میں سے بالکل ظاہر ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور ﷺ کو مطلع کیا اور آپ ﷺ نے جان لیا کہ وہ فریادی اپنے آپ سے یا اپنے احباب سے کیا کہہ رہا تھا؟ پھر حضور ﷺ نے اس فریادی کی پکار کا جواب دیا۔ یا وہ شخص دوران سفر اشعار میں فریاد کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس شخص کے آنے سے تین دن پہلے اس کا کلام سنا دیا اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کیونکہ ابو نعیم نے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں آسمان کی آواز سنتا ہوں اور اس کی آواز پر ملامت نہیں ہونی چاہیے۔

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ صحابی رسول نے تین دن کی مسافت سے مصیبت کے وقت حضور ﷺ سے مدد کے لئے فریاد کی آپ نے دور سے اس کی فریاد سنی اور مدد کرنے کی نوید سنائی اور پھر فتح مکہ کے ذریعہ اس شخص اور اس کے قبیلہ کی مدد ہوگی

اور یہی کچھ ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرنا اور ان کو پکارنا جائز ہے اور اگر قضاء الٰہی کے موافق ہو تو وہ مدد بھی فرماتے ہیں۔

فائدہ

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی شق یہ بھی تھی کہ جو قبیلہ چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آجائے اور جو چاہے وہ قریش کی امان میں آجائے۔ بنو بکر قریش کی حفاظت میں آگئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آگئے (اور ان میں بہ کثرت لوگ مسلمان ہو گئے جیسا کہ عمرو بن سالم کے اشعار سے ظاہر ہے کہ انہیں رکوع اور سجود کی حالت میں قتل کیا گیا) بنو خزاعہ اس پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف تھے۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے لازم تھا کہ اگر یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑیں تو قریش ان کے درمیان مداخلت نہیں کریں گے۔ اس حادثہ کا سبب یہ ہوا کہ بنو بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہے یہ اشعار بنو خزاعہ کے ایک غلام نے سن لیئے اور اس نے اس شخص کا سر پھاڑ ڈالا۔ اس وجہ سے دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی۔ بنو بکر نے قریش سے مدد طلب کی اور قریش نے یہ سوچ کر اتنی دور سے رات کے وقت کے واقعہ کا حضور کو کیا علم ہوگا؟ رات کے وقت شب خون مارا اور بیس یا تیس مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ اس موقعہ پر عمرو بن سالم رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں رزمیہ اشعار پڑھ رہے تھے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اشعار کو اپنے گھر میں سنا اور وہیں سے جواب دیا ''نصرت'' تمہاری مدد کی گئی'' پھر تین دن کے بعد وہ مدینہ پہنچے اور وہاں جا کر تفصیل سے واقعات بتلائے اور یہ واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔ (ماخوذ از انسان العیون ج ۲ ص ۳۔۴)

طبرانی کی جس روایت میں عمرو بن سالم کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کرنے کا ذکر ہے اس کو متعدد اجلہ محدثین نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

واخرجه الطبرانی من حدیث میمونة بنت الحارث مطولا و فیه ایضا انها	طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت میمونہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران وضو

سمعت رسول الله ﷺ یقول لیلا وهوفی متوضئه نصرت نصرت فسالته فقال هذا راجزبنی کعب یستصرخنی وزعم ان قریشا اعانت علیهم بنی بکر۔
(حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج۹ ص۶۱)

فرمار ہے تھے کہ ''تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی'' حضرت میمونہ نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنی کعب کا ایک فریادی تھا جو مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔

اس حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہوا کہ مصیبت کے وقت حضور ﷺ کو دور سے پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا صحابہ کا طریقہ تھا اور اس پکار پر لبیک کرنا اور مدد فرمانا یہ حضور ﷺ کا طریقہ تھا۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی ایک اور مقام پر پوری سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

عن ابن ماعد حدثنا یحیی ابن سلیمان بن فضلة حدثنی عمی محمد عن جعفر بن محمد عن ربیعة عن جدته میمونة بنت الحارث ان النبی ﷺ قام عندها فی لیلتها ثم قام فتوضأ للصلوة سمعته یقول لبیك لبیك ثلاثا فقلت یا رسول الله سمعتك تکلم انسانا قال هذا راجزبنی کعب یستصرخنی ویزعم ان قریشا اعانت علیهم بنی بکر۔
(حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۵۳۶)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شب حضور ﷺ نے ان کے ہاں قیام فرمایا پھر حضور ﷺ وضو کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے تین بار ''لبیک'' فرمایا پھر تین بار ''تمہاری مدد کی گئی'' فرمایا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کسی انسان سے کلام فرمار ہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنی کعب کا فریادرس تھا جو مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

عمرو بن سالم بن کلثوم الخزاعی   عمر بن سالم بن کلثوم خزاعی حجازی ہیں

حجازی حیث خرج مستنصرا من مکة الی المدینة۔ (حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۵۴۰)

انہوں نے مدد طلب کرتے ہوئے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا۔

علامہ حلبی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

و عن میمونة رضی الله عنها ان رسول الله ﷺ بات عندها لیلة قالت فسمعته یقول لبیك لبیك ثلاثا فلما خرج قلت یا رسول الله سمعتك تقول لبیك لبیك لبیك ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا كانك تكلم انسانا فهل كان معك احد قال هكذا راجز بنی كعب یعنی خزاعة یزعم ان قریشا اعانت علیهم بكر بن وائل ای بطنا منه وهم بنو نعاثة۔ (علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ انسان العیون ج ۳، ص ۵)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب ان کے پاس تھے حضرت میمونہ نے سنا کہ حضور ﷺ نے تین بار ''لبیك'' اور تین بار ''تم مدد کیے گئے ہو'' فرمایا: جب حضور ﷺ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: حضور ﷺ! میں نے آپ ﷺ سے تین بار ''لبیك'' اور تین بار ''تم مدد کیے گئے ہو'' سنا کیا آپ ﷺ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے؟ کیا آپ کے ساتھ کوئی تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنو کعب (یعنی خزاعہ) کا ایک فریادی تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر (یعنی ان کے ایک ٹولہ بنو نعاثہ کی) مدد کی ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

طبرانی در معجم صغیر از حدیث میمونه مے آرد که گفت شنیدم شبے آں حضرت را که مے فرمود در متوضا

طبرانی نے ''معجم صغیر'' میں حضرت میمونہ سے حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور ﷺ نے دوران وضو

لبیک لبیک سه بار مے فرمود نصرت نصرت سه بار چون برآمد گفتم یا رسول اللہ شنیدم که تکلم مے کنی آیابود با تو کسیکه تکلم مے کردی یا وے گفت ایں راجز بنی کعب بود از خزاعه که از من طلب نصرت مے نمایدوے گوید که قریش اعانت بنی بکر کردند تابه سرما شبخون آوردند۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۸۲)

تین بار ''لبیک لبیک'' فرمایا اور تین بار فرمایا: تیری مدد کی گئی جب حضور ﷺ وضو سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: حضور ﷺ! آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ آپ ﷺ کے پاس کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ خزاعہ سے بنی کعب کا ایک فریادی مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ قریش نے ہمارے قبیلے کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے اور رات کو شب خون مارا ہے۔

اور شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

د فی معجم الطبرانی الصغیر عن میمونة انها سمعت رسول الله ﷺ یقول فی متوضئه لیلاً لبیك لبیك (ثلاثا) نصرت نصرت (ثلاثا) كانك تكلم انسانا فهل كان معك احد فقال هذا راجز بنی كعب یستصرخنی و یزعم ان قریشا اعانت علیهم بنی بكر۔

(شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۴۲ھ مختصر سیرت الرسول ص ۳۳۳)

طبرانی نے اپنی ''معجم صغیر'' میں حضرت میمونہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک شب سنا آپ ﷺ نے تین بار ''لبیک'' اور تین بار ''تیری مدد کی گئی'' فرمایا، انہوں نے پوچھا: کیا آپ ﷺ کے پاس کوئی انسان تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی کعب کا فریادی تھا جو مجھ سے مدد طلب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف بنی بکر کی مدد کی ہے۔

قاضی عیاض مالکی بیان کرتے ہیں:

وروی ان عبدالله بن عمر خدرت رجله فقیل له اذکر احب الناس الیك یزل

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں سن ہو گیا۔ ان سے کہا گیا: جو شخص آپ کو

عنك فصاح یا محمداہ فاحشہت۔
(قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء ج ۲ ص ۱۸)

سب سے زیادہ محبوب ہو اسے یاد کیجئے آپ سے یہ تکلیف زائل ہو جائے گی، حضرت عبداللہ بن عمر نے زور سے پکارا ''یا محمداہ ﷺ'' تو آپ کا پیر ٹھیک ہوگیا۔

ملاعلی قاری رحمہ الباری ''فصاح'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای فنادی باعلی صوتہ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے پکارا۔

اور ''یا محمداہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

و کانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصد بہ اظہار المحبۃ فی ضمن الاستغاثۃ۔ (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۵۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اظہار محبت کے ضمن میں فریاد کی اور مدد طلب کی۔

اور علامہ خفاجی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

و ھذا مما تعاھدہ اھل المدینۃ۔
(شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض ص ۳۳۵)

اہل مدینہ کے نزدیک یہ عمل معروف ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے ''الادب المفرد'' ص ۱۴۲ مطبوعہ مصر میں روایت کیا ہے۔ شوکانی نے ''تحفۃ الذاکرین'' ص ۲۳۹ میں۔ امام نووی نے ''کتاب الاذکار'' ص ۱۳۵ میں۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد حوالہ جات ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکلیف اور مصیبت کے وقت حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کو پکارنا اور آپ سے غائبانہ مدد چاہنا حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت

عبداللہ بن عباس کی سنت ہے۔ اور یہ کہ ان کے پکارنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ سے ان کا پیر ٹھیک ہو گیا اور تکلیف زائل ہو گئی۔

مخلوق سے استعانت کی قسمیں

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

جو استعانت و استمداد بالخلوق باعتماد علم وقدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہ حی یا میت ہو۔ اور جو استمداد بلا اعتماد علم وقدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل۔ پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیہ یہ کل پانچ قسمیں ہیں۔

پس استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے محض ان حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بوادر النوادر، ص ۱۵۹۔۱۶۰)

تھانوی صاحب نے جو قسمیں بیان کی ہیں ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ مستقل یعنی ذاتی علم وقدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے۔ اس صورت کو انہوں نے شرک قرار دیا ہے اور ہم بھی اسے شرک ہی سمجھتے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ غیر مستقل یعنی عطائی علم وقدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے اور وہ علم وقدرت کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہو تو یہ صورت بھی کفر وشرک نہیں بلکہ صرف معصیت ہے، یہ بھی ٹھیک ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ غیر مستقل یعنی عطائی علم وقدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے خواہ وہ مخلوق زندہ ہو یا فوت شدہ اور وہ علم وقدرت دلیل صحیح سے ثابت ہو تو یہ صورت قطعاً جائز درست ہے۔

اس تیسری قسم میں ہماری گفتگو ہے خیال رہے کہ تھانوی صاحب نے جواز اور عدم

جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر رکھا ہے جیسا کہ ہم نے ''توضیح البیان'' میں بیان کیا ہے۔ نہ امور مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب یا امور عادیہ یا امور غیر عادیہ پر جیسا کہ بعض مخالفین نے ''تنقید متین'' اور ''اتمام البرہان'' میں بیان کیا ہے۔

اسی قسم ثالث کے بارے میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے۔ ''قسم ثالث ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی قوت کشف کے ذریعہ روحوں کو دیکھتے سنتے ہیں وہ اگر اولیاء کرام کی ارواح طیبات سے مدد طلب کریں تو یہ صورت قطعاً جائز اور درست ہے۔

واضح رہے کہ اس صورت کو قسم ثالث میں داخل کر کے تھانوی صاحب نے تین باتوں کا کھلا ہوا اعتراف کر لیا ہے۔

اول: انبیاء عظام اور اولیاء کرام کی ارواح مقدسہ سے (زندگی میں غائبانہ ہو یا بعد از وفات) مدد طلب کرنا قطعاً جائز اور درست ہے۔

ثانی: انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے عطائی علم اور قدرت اور اختیار کو انہوں نے دلیل صحیح سے ثابت مان لیا ہے کیونکہ قسم ثالث کو انہوں نے اس قسم کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

ثالث: کشف کی قوتوں کے ذریعہ ارواح کو دیکھنا سننا دلیل سے ثابت ہے۔

اس تفصیل کے بعد اس موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

و قد یکون خاطر الشیخ فهو امداد همة الشیخ یصل الی قلب المرید الطالب مشتملا علی کشف معضل وحل مشکل حصل للمرید فی الواقعات والواردات الربانیة وهذا الخاطر انما یرد علی قلب المرید عند استکشافه ذالك باستمداده من ضمیر الشیخ ینکشف و یتبین الحال سواء کان	مرید کے دل میں کبھی ایسی بات آتی ہے جو شیخ کی توجہ کی مدد سے مرید کے دل میں پیدا ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ مشکلات جو مرید کے وظائف اور معمولات میں پیدا ہوتی ہیں وہ حل ہو جاتی ہیں۔ اور مرید کے دل میں یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنی مشکلات میں اپنے شیخ سے اس کے لئے مدد طلب

الشیخ حاضرا او غائبا حیا او میتا یدل علیه ما قال شیخ العارف باللہ علی بن حسام الدین المتقی اسکنه الله بحبوحة جنة و نعمة بلطفه و رحمته یا عبدالوهاب اذا اشکل علیك شئی من الواقعات و الواردات فاعرضها علی بقلبك و اسکتشف ذالك باستمدادك منی ولو بعد موتی فجربت ذالك فوجدته کما قال و هذا الخاطر ایضا فی الحقیقة داخل تحت خاطر الحق سبحانه لان قلب الشیخ بمثابة باب مفتوح الی عالم الغیب و هو واسطة بین المرید و بین الحق سبحانه فیصل امداد فیضه علی قلب المرید بواسطة انتهی کلامه قدس سرہ۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج۱ ص۱۴۰۔۱۴۱)

کرتا ہے۔ پھر اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ عام ازیں کہ شیخ حاضر ہو یا غائب، زندہ ہو یا فوت شدہ۔ اس پر دلیل یہ کہ شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین متقی (اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ جنت عطا فرمائے اور ان پر اپنے لطف اور رحمت کی بارش کرے) نے فرمایا: اے عبدالوہاب! جب تم کو اپنے وظائف اور معمولات میں کوئی مشکل پیش آئے تو اس مشکل کو اپنے قلب کے ساتھ مجھ پر پیش کرنا اور اس کے حل کے لئے مجھ سے مدد طلب کرنا۔ خواہ میری موت کے بعد ہی ہو شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا تجربہ کیا اور اس کو درست پایا اور دل میں یہ بات بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے التفات سے آتی ہے۔ کیونکہ شیخ کا قلب ایک کھلے ہوئے دروازہ کے منزلہ میں ہے کیونکہ وہ مرید اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے۔ پس مرید کے قلب تک شیخ کی وساطت سے فیض پہنچتا ہے۔

استمداد پر شواہد

اشرف علی تھانوی، ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ فقیہ عالم صالح صاحب کرامات ومکاشفات تھے ان کے کشف وکرامت میں یہ بھی ہے کہ ایک ذی اقتدار شخص ان کا مرید تھا اس کی بیوی مر گئی وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس

لئے بہت سخت رنج ہوا۔فقیہ محمد بن موسیٰ کے پاس پہنچا اور اپنی حالت کی شکایت پیش کی اور عرض کیا۔کہ میری تمنا یہ ہے کہ اسے دیکھ لوں اور جان لوں کہ اس پر کیا گزری ہے؟ فقیہ نے عذر کیا مگر اس نے نہ مانا اور عرض کیا کہ جب تک میری حاجت پوری نہ ہوگی میں نہیں جاؤں گا۔فقیہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت بہت تھی۔آپ نے اس سے تین دن کی مہلت مانگی پھر اس کو ایک دن بلایا اور فرمایا: اس حجرہ میں اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ یہ اندر گیا تو اس کو اچھی حالت اور اچھے لباس میں پایا۔حال پوچھا تو اس نے کہا: یہی بہتر حالت ہے اس کو بہت مسرت ہوئی اور خوش خوش ہشاش بشاش حضرت فقیہ کے پاس باہر آ گیا۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء، ص ۱۳۴۔۱۳۵)

اس واقعہ سے تھانوی صاحب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو یہ مقام عطا فرمایا ہے کہ وہ چاہیں تو اپنے متوسلین کو قبر اور برزخ کے احوال بھی دکھا سکتے ہیں۔

نیز اس واقعہ میں تھانوی صاحب نے تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو قبر اور برزخ کے احوال کا علم ہوتا ہے اور وہ جب چاہیں برزخ کے لوگوں کو اس دنیا میں وارد کر سکتے ہیں، لوگوں کی ملاقات کرا سکتے ہیں، ان کی حاجت روائی کرتے ہیں اور مشکلات میں مسلمان اولیاء اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہی کچھ ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

محمد بن علوی بن احمد کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کا ایک خادم راستہ میں کسی لق ودق جنگل میں جا پہنچا اور جب اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو اس نے ان سے امداد چاہی اور چلا گیا تو اس ایک شخص کو محسوس کیا جو کہہ رہا ہے: یہ رہا راستہ تو یہ راستہ پر پہنچ گیا۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء ص ۱۳۶)

دیکھ لیجئے! تھانوی صاحب لکھ رہے ہیں کہ ہلاکت کا یقین ہونے کے باوجود اس شخص نے خدا کی طرف نہیں بلکہ اپنے پیر کی طرف رجوع کیا۔اگر ہم یہی بات کہہ دیں تو مخالفین شرک سے کم نہیں کہتے۔

اس واقعہ کو بیان کر کے تھانوی صاحب اللہ تعالیٰ کی قدر کم نہیں کر رہے بلکہ یہ بتانا

چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کتنے عظیم مقام سے نوازا ہے۔

محمد بن حسن المعلم باعلوی کے بارے میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

صاحب کرامت اکابر اولیاء میں سے ہیں شہر تریم علاقہ حضر موت میں ۸۵۰ھ، میں تولد ہوئے ہیں آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ مستجاب الدعا تھے۔ آپ نے اپنے متوسلین کی ایک جماعت کے واسطہ دینی اور دنیوی امور کی دعا فرمائی جن کو ان لوگوں نے حاصل کرلیا۔ سید عبداللہ بن علوی بن محمد جو قبیلہ دویلہ کے آزاد کردہ غلام تھے، عبادات اور ریاضات میں بہت مجاہدے کیا کرتے اور فتوحات غیبیہ کا انتظار رکھتے تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ اخیر عمر میں حق تعالیٰ تم کو فتوحات غیبیہ سے نوازیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے کہا تھا: بیان کیا گیا ہے کہ ایک چور نے آپ کے کھجور کے درختوں پر سے کچھ پھل چوری کر لیا تھا۔ تو اس کے بدن میں زخم ہو گئے اور اس قدر تکلیف ہوئی کہ نیند حرام کر دی صبح ہوئی وہ حضرت شیخ کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب کی قبر پر جاؤ اور اس قبر کی مٹی اپنے زخم پر لگا لو اس نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہو گیا۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء، ص ۱۵۷)

اس واقعہ میں تھانوی صاحب نے حضرت محمد بن حسن کا یہ مقام بتایا ہے کہ لوگ حاجت روائی اور دفع ضرر کے لئے حضرت کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ جب چور کے بدن میں زخم ہوا تو وہ شخص نہ کسی طبیب کے پاس گیا نہ خدا سے دعا مانگی، سیدھا شیخ کے پاس دفع ضرر کے لئے پہنچا اور حضرت نے غیر عادی طریقہ سے اس کو شفاء دے دی۔ جو لوگ غیر عادی امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ ان کے لئے یہ واقعہ دیدہ عبرت سے پڑھنے کے لائق ہے۔

محمد احمد بن فرغل کے بارے میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

مخیمر چوبدار کی لڑکی کو ایک ناکو نگل گیا تو وہ روتا پیٹتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا: اس جگہ جہاں اس نے لڑکی کو نگل لیا ہے جاؤ اور بلند آواز سے کہو: اے ناکو! آ اور فرغل سے جوابدہی کر تو ناکو سمندر سے نکلا ایک جہاز کی طرح جا رہا تھا مخلوق اس کے

آگے سے داہنے بائیں کو ہو جاتی تھی وہ آپ کے دروازہ پر آ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے لوہار کو حکم دیا کہ اس کے سب دانت اکھاڑ دے اور ناکو کو لڑکی اگل دینے کا حکم دیا۔ اس نے لڑکی کو اگل دیا تو وہ زندہ تھی مگر بے ہوش پھر ناکو سے کہا: جب تک زندہ رہے ان کے شہر کے کسی آدمی کو نہ نگلے ناکو اس طرح نکلا کہ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور سمندر میں جا پڑا۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، جمال الاولیاء ص ۱۷۲)

تھانوی صاحب نے اس واقعہ میں جو ولی کے مقامات ظاہر کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) شہر کے لوگ حضرت فرغل رحمۃ اللہ علیہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔

(۲) ناگہانی آفات اور مصیبتوں میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔

(۳) لوگوں کا اعتقاد تھا کہ آپ سمندری بلا (ناکو) کے منہ کا نوالہ چھیننے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

(۴) سمندری بلائیں آپ کے پیغام کو سمجھتی تھیں۔

(۵) آپ کو خود بلانا تو در کنار اگر آپ کسی کے ہاتھ پیغام بھی بھیج دیں تو "بلا" سمندر سے نکل آتی تھی۔

(۶) سمندری بلا آپ کے گھر سے واقف تھی۔

(۷) آپ کے حکم پر اس سمندری بلا نے چپ چاپ اپنے دانت تڑوا لیے اور چوبدار کی نگلی ہوئی لڑکی کو منہ سے نکال پھینکا۔

(۸) ناکو پر آپ کا حکم جاری تھا اور وہ آپ کا بالکلیہ متبع تھا یہاں تک کہ آپ نے حکم دیا کہ وہ آپ کے شہر کے کسی آدمی کو نہ نگلے تو وہ اس حکم کو مان کر واپس سمندر میں چلا گیا۔

(۹) آپ نے اس سلسلہ میں جتنی کارروائی کی یہ سب عام اسباب کے خلاف تھی اور اس کا مطلب ہے کہ آپ کو مافوق الاسباب العادیہ امور پر قدرت حاصل تھی۔

(۱۰) شہر کے لوگ آپ کے بارے میں یہ یقین رکھتے کہ آپ امور مافوق الاسباب پر قادر ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور استمداد

مکتب دیوبند حضرت شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مجدد کی حیثیت سے تسلیم کرتا

ہے۔شاہ صاحب کی تصانیف کوفروغ دیتا ہے اوراختلاف مسائل میں حضرت شاہ صاحب کو بطور حکم تسلیم کرتا ہے۔ دیوبندی مصنفین اپنی تصانیف میں شاہ صاحب کے ان گنت حوالے دیتے ہیں اوران کی عبارات سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ اورابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل ودماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس باز پیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوگا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اورابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔(شبلی نعمانی متوفی ۱۳۳۳ھ،علم الکلام ج۱ص ۸۷)

اوردیوبند مکتب فکر کے ایک مستند عالم دین مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ نباض ملت کی حیثیت سے معاشرے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر اصلاح احوال کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔آپ نے فروعات میں الجھنے والے علماء عیش کوشیوں میں غرق امراء اورغافل عوام کو نئے سرے سے قرآن وحدیث کی دعوت دی۔ تقلید وعدم تقلید کی بحثوں کی وضاحت فرمائی فقہ وعقائد میں تشدد وتصلب کے برعکس اسلام کی وسعت وہمہ گیری کواذہان میں اجاگر کیا اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی موثر تصانیف کے ذریعے اسلامی فکر کی وضاحت کی۔آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ وکلام،عقائد،تصوف، سیر وسوانح ان تمام موضوعات پر ایک منفرد انداز سے لکھا جسے بجا طور پر ایک حکیمانہ طرز استدلال کہا جاسکتا ہے۔(مناظر احسن گیلانی،تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۸۷ ۲)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''انفاس العارفین'' کے اخیر میں جو اپنے خودنوشت حالات لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ''انفاس العارفین'' شاہ ولی اللہ صاحب کے آخری دس سالہ دور کی تصنیف ہے اس کتاب کے بارے میں مولوی رحیم بخش دہلوی لکھتے ہیں:

اس کتاب کے چار حصے ہیں، پہلا حصہ میں جناب شاہ صاحب نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم صاحب کے علمی حالات، باطنی تصرفات وکرامات، ملفوظات ومکتوبات،غرضیکہ

ابتداء زمانہ سے تاریخ وفات تک کے تمام واقعات بطریق رجال سرسری ذکر کئے ہیں۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کا ہر ممبر ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں لاثانی اور بے نظیر تھا۔ (رحیم بخش دہلوی، حیات ولی ص ۴۱۸)

اولیاء اللہ سے حاجت روائی کے بارے میں اب ہم شاہ ولی اللہ کی اس مستند کتاب سے حوالے پیش کر رہے ہیں اور یہ حوالہ جات ان تمام لوگوں پر حجت ہیں جو شاہ صاحب کو حجت مانتے ہیں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں "تفہیمات الٰہیہ" کی نسبت شاہ صاحب کی طرف مشتبہ ہے۔ اگر "تفہیمات" کے مندرجات سے متعارض ہوں یا تو ان کی تاویل کی جائے گی یا ان کو رد کر دیا جائے گا کیونکہ "انفاس العارفین" شاہ صاحب کی آخری اور مستند کتاب ہے۔

شاہ عبدالرحیم سے استمداد

مے فرمودند امیرے صاحب شوکت همسایه محمد فاضل بود عمارت حویلی خواست اتفاقا در حویلی او موضعی کجی مے افتاد از محمد فاضل قدرے زمین باضعاف مضعافه ثمن مثل طلب کرد۔ قبول نه نمود سرانجام میان ایشاں خشونت و وحشت واقع شد امیر گفت علی الصباح پیش بادشاه میروم والتماس مے کنم که ایں زمین بادشاهی است مملوک محمد فاضل نیست و ایں بقعه رامے گیرم نمے گذارم اگرچه الوف خرچ شوند محمد فاضل نیست۔ محمد فاضل شب هنگام

فرمایا کہ ایک بااقتدار امیر نے محمد فاضل کی ہمسائیگی میں حویلی کے لئے قطعہ لیا۔ قطعہ کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ حویلی میں ٹیڑھ آتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دگنی تگنی قیمت پر قدرے زمین مانگی مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر ان کے درمیان رنجش اور جھگڑا ہو گیا۔ اس امیر نے کہا: میں صبح جا کر بادشاہ سے کہوں گا کہ یہ زمین محمد فاضل کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا چھوڑوں گا کسی بھی صورت نہیں بلکہ لے لوں گا۔ چاہے ہزاروں روپے خرچ ہو جائیں محمد فاضل رات کو میرے پاس آ کر حد سے زیادہ گڑگڑایا میں نے اس سے کہا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا۔

بمن آمد و الحاح از حد گزارنید گفتم هرگز بابادشاه ملاقات نخواهد کردد هرگز این مناقشه نتواں بود علی الصباح بقعه دیوان بادشاه از خانه برآمد در راه سواراں باوے برخوردن رکه فرمان آنست که همیں ساعت کوچ کنی گفت مے خواهم که بالمشافه رخصت شوم و بعض مطالب ضروریه عرض کنم گفتند نه همیں ساعت باید که کوچ کنی بجبر و کره هماں وقت اورا از شهر بر آور دند هماں جهت جاں به جاں ده سپرد فرصت مناقشه نیافت۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ص۵۶۔۵۷)

چنانچہ صبح سویرے جب وہ امیر گھر سے نکل کر دربار شاہی میں جانے لگا تو راستے میں اسے شاہی سواروں نے آلیا اور کہا کہ بادشاہ نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ ابھی ابھی فلاں مہم کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ امیر نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے روبرو مل کر کچھ ضروری باتیں عرض کروں۔ کارندوں نے اس کی یہ بات نہ مانی اور فوراً ہی کوچ کرنے پر مجبور کر کے اسے زبردستی اسی وقت شہر سے باہر نکال دیا اور وہ امیر اسی مہم میں مر گیا۔ چنانچہ اسے محمد فاضل سے جھگڑا کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس واقعہ میں عبدالرحیم قدس سرہ کی عظمت بیان کی ہے اس سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) شاہ عبدالرحیم کی شخصیت غیر معمولی مصیبتوں میں امداد کرنے کے لئے مشہور تھی۔ اس لئے آپ کو جاننے والا ہر شخص اپنی بگڑی بنانے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتا تھا۔

(۲) محمد فاضل خدا پرست تھا شاہ صاحب کا مرید تھا اس نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ضرور مانگی ہو گی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حاجت روائی کے لئے شاہ عبدالرحیم کے پاس جا کر گڑگڑایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد فاضل کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر معمولی مشکل اور مصیبت میں ولیوں کے دروازے پر دہائی دینا اسلام کے خلاف

نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لئے انہیں جلب منفعت اور دفع ضرر کے اختیارات دیے ہیں۔

(۳) اگر محمد فاضل کا یہ عمل اسلام کے خلاف ہوتا تو شاہ عبدالرحیم اس کو ڈانٹ دیتے اور صرف اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی ہدایت دیتے۔

(۴) شاہ صاحب کا امیر کے بارے میں کہنا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا شاہ صاحب کی غیب دانی پر دلالت کرتا ہے یا ان کے تصرف پر، ہر صورت میں اولیاء اللہ کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

(۵) امیر کا انتہائی کوشش کے باوجود بادشاہ سے نہ مل سکنا اور جنگ میں مارا جانا امور غیر عادیہ میں شاہ صاحب کے تصرف کی واضح دلیل ہے۔

نیز شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

مے فرمودند در اوائل هر کسے راکه بنظر قبول مے کردم مشغوف مے شد ازیں جهت به کسے التافات نمے کردم و تنها بر بالاخانه محمد فاضل بودم و وقت آمدورفت چادر بر روئے خود مے پیچیدم اتفاقا روزے هدایت الله بیگ بخانه محمد فاضل بتقریب قرابتے کرد که درمیان اینها بود بیامد و مرابا و مواجه واقع شد مشغوف گردید و خواهان بیعت گشت شنیده بودم که وے رابا عزیزے متوکل نقشبندی ربطے مواساتے هست۔ گفتم سخن یکے است و

فقراء بمثابه یک تن می باشند حق آں
عزیز مقدم الست باوے بیعت کن
مکرر مبالغه می کردد وشغف او از
حد گذشت آخر بابیعت او قبول
کردم و گفتم مواساة آں عزیز فردا
گلزار بعد ازاں به آں عزیز خبر رسید
برآشفت و بدست هدایت الله بیگ
بمن گفته فرستاد که هنوز جوانید
شمارا طلب فریق باید کرد نه ارشاد۔
گفتم ایں فضل و موجهت حق است
موقوف برکبر سن نیست باز گفته
فرستاد که من انتقام ایں تعدی ازشما
میگرم باخبر باشید گفتم لایحیق
المکر السیئی الا باهله خواهید
هرچه خواهید اندیشه برشما خواهد
افتار به ایذار من همت بست من نیز
مدافعه کردم کار برآنجا رسید کر
برآں عزیز ظاهر شد که به سینه وے
خنجر زده است و مدت حاضر شد
در نیم شب هدایت الله بیگ را طلبید
و استغفار کرد و نیاز مندی نمود و
گفت به یقین دانستم که جان من نمے
آید اما باید کے قصد ایمان نکند گفته

اگر شما ابتداء بایذار نمے کردند
کار بایں جانمے رسید الحمدللہ کہ
بایمان شما ضرے راجع نیست
هماں شب بعالم قرار رسید رحمۃ اللہ
علیہ۔(شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس
العارفین ص ۵۷۔۵۸)

فرمایا کہ شروع شروع میں جس پر بھی میں محبت کی نگاہ ڈالتا وہ میرا دیوانہ ہو جاتا اس وجہ سے میں کسی پر بھی نگاہ التفات نہیں ڈالتا تھا اور اکیلا محمد فاضل کے بالا خانہ پر رہتا تھا۔ ادھر ادھر جاتے وقت اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن ہدایت اللہ بیگ رشتہ داری کی تقریب میں محمد فاضل کے گھر آیا۔ جب اس سے میرا سامنا ہوا تو وہ میرا دیوانہ ہو گیا اور مجھ سے بیعت کی خواہش کی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اسے بزرگ متوکل نقشبندی سے ربط و تعلق ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بات ایک ہی ہے فقراء ایک تن کی مثال ہیں۔ اس بزرگ کا حق مقدم ہے اس لئے انہی سے بیعت کیجئے۔ اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس کی محبت حد سے بڑھ گئی بالآخر میں نے اسے بیعت میں قبول کیا اور کہا کہ ان بزرگ سے بھی تعلق نہ توڑیئے گا۔ کچھ دنوں بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی تو غصہ ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی جوان ہو تمہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ بیعت و ارشاد کی، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اس کا انحصار بڑی عمر پر نہیں ہوتا۔ پھر کہلا بھیجا کہ میں تم سے اس زیادتی کا بدلہ لوں گا میں نے کہا: ''لا یحیق المکر السیئی الا باھلہ'' (یعنی ''چاہ کن را چاہ در پیش'' جو کچھ چاہو کر کے دیکھ لو اس کی افتاد تم پر ہی پڑے گی) اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے اپنا عمل شروع کر دیا۔ میں نے اپنی مدافعت کی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس بزرگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے سینے میں خنجر چبھو دیا گیا ہے اور موت سر پر آ پہنچی ہے۔ آدھی رات کے وقت ہدایت اللہ بیگ کو بلوایا۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگی اور میرے حق میں نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

مجھے یقین ہے کہ میری جان نہیں بچے گی مگر انہیں چاہئے کہ میرا ایمان چھیننے کا قصد نہ کریں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اگر ایذاء رسانی کا آغاز نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ بحمد اللہ تمہارے ایمان کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ وہ بے چارے اس رات عالم قرار کو سدھار گئے۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

اس طویل واقعہ سے جو باتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم کو یہ قوت عطا کی تھی کہ غیر عادی طریقہ پر اپنے مخالف کو موت کے گھاٹ اتار سکیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم کو یہ قوت عطا کی تھی وہ غیر عادی طور پر اپنے مخالف کی ایذاء رسانی کو دیکھ سکیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم کو یہ تصرف عطا کیا تھا کہ وہ اپنے مخالف کا ایمان سلب کریں۔

(۴) اس بزرگ نقشبندی کو جب موت سر پر نظر آئی اور اس کے ساتھ ایمان بھی جاتا دکھائی دیا تو اس نے غیر عادی طریقہ پر شاہ عبدالرحیم سے ایمان قائم رہنے دینے کے لئے استمداد کی۔

(۵) شاہ عبدالرحیم نے اس کی غیر عادی طریقہ پر امداد کی اور اس کا ایمان قائم رہنے دیا۔

نیز شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

می فرمودند اعداء اهل پهلت جمع شدند و بر روساء آں نواحی ظاهر نمودند که اراضی ایں جماعت زیاده از آنست که در فرماں حکم شده رؤسا مردم را بجهت پیمائش تعین کردند اهل پهلت را اضطراب شد و بمن التجا نمودند و باشد هیچ تدابیر

فرمایا: قصبہ پھلت کے معتقدین کے دشمنوں نے وہاں کے رئیسوں کو برانگیختہ کیا کہ اس جماعت (فقراء شاہ عبدالرحیم) کے قبضہ میں فرمان شاہی سے کچھ زیادہ زمین آئی ہوئی ہے۔ چنانچہ رئیسوں نے کچھ لوگوں کو پیمائش کے لئے مقرر کر دیا۔ اس بات سے پھلت والوں کو سخت پریشانی

از پیش نرود ایشاں را تسلی دادم در روز پیمود بایشاں حاضر شدم و اند کے متوجه گشتم آنگاه گفتم به پیمائید هر مزرعه که پیمودند کم بر آمد اهل پهلت باز الحاح کردند که اگر همه مزرعه کم آید پیما کند متهم شود و مناقشه منقطع نه گردد باید که بعضے کم باشند و بعضے برابر و بعضے زائد تا همه به هیت اجتماعیه مساوی گردد دیگربار توجه کردم و هر چند پیمائنده و انواع حیلها انگیخت فائده نه کرد برحسب دلخواه ایشاں صورت گرفت۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین ص۵۹)

ہوئی اور مجھ سے التجاء کی کہ جب ناپ کرنے والا بھی دشمن ہو تو ہماری تدبیر کیسے چل سکے گی؟ میں نے انہیں تسلی دی اور پیمائش کے دن خود پہنچا کچھ توجہ ڈالی اور ان سے کہا کہ اب پیمائش کرو جس کھیت کی پیمائش کرتے وہ اصل حساب سے بھی کم سمٹتا۔ پھلت والے پھر رونے لگے کہ اگر سبھی کھیت اصل پیمائش سے کم نکلے تو دشمن پٹواری پر شک کریں گے اور جھگڑے کی بنیاد ختم نہ ہوگی۔ چاہئے کہ کچھ کھیت کم نکلیں کچھ برابر اور کچھ زیادہ سب سب کھیت مل کر اجتماعی شکل میں برابر ہو جائیں۔ میں نے دوبارہ توجہ ڈالی اگرچہ پٹواری نے مختلف حیلوں بہانوں سے کام لینا چاہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اور پھلت والوں کے حسب منشاء کام ہوگیا۔

اس واقعہ سے جو امور ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین پر جب کوئی ناگہانی آفتاد اور مصیبت پڑتی تو وہ شاہ صاحب کے پاس جا کر فریاد کرتے اور ان سے غیر عادی (مافوق الاسباب) میں استمداد اور استعانت کرتے۔

(۲) شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت اور قدرت عطا کی تھی کہ وہ توجہ کرتے تو غیر عادی طور پر یہ زمین سکڑ جاتی یا پھیل جاتی اور اس طرح مریدین کے حسب منشا شاہ صاحب نے مافوق الاسباب طریق پر ان کی حاجت روائی کی۔

نیز شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مے فرمودند که اسد علی رابا بعض شرکاء خویش منازعت افتاد جمع شدند و خواشتند که اور اهلاک کند بمن آمد والحاح عظیم کرد بحال وے متوجه شدم گفتم برو ثابت باش از هیچ کس مترس شرکاء بچند هزار کسے برسر او آمدند وے بجز بست کس رفیق نداشت آخر ها صورت مرا دید که ثبات امرے کند بندوقے سر داد و به اسپ عدد رسید در دم بافتاد مرعوب و مخذول بگریختند۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین، ص ۶۰)

فرمایا کہ اسد علی کا اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ان سب نے مل کر اسے ہلاک کرنے کی ٹھان لی۔ یہ میرے پاس آ کر بہت گڑگڑایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: جاؤ مضبوط رہو اور کسی سے مت ڈرو۔ چنانچہ اس کے دشمن ہزار مددگاروں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے حالانکہ اس کے ساتھ صرف بیس ساتھی تھے بالآخر لڑائی کے دوران میری شکل دیکھی کہ ثابت قدمی کا حکم کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے بندوق داغ دی۔ جو دشمن کے گھوڑے کو جا لگی۔ وہیں ڈھیر ہو گیا اور دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گئے۔

اس واقعہ میں امور غیر عادیہ میں شاہ صاحب سے استمداد اور ان کی امداد کا واضح طور پر ذکر ہے۔

حضرت شیخ محمد سے استمداد

شاہ ولی اللہ اپنے والد کے جد امجد حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

یکباری سید برهان بخاری راقولنج عارض شد اضطراب بے حد کرده بحضرت ایشان التجا آورد بخانه او رفتند و بر بالین او نشستند و مرض او رابر گرفتند شفا کلی یافت اماگاه

ایک بار سید برہان سید بخاری قولنج کے درد میں مبتلا ہو گئے اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر اس کے مرض کو

گاھے آں عارضه بحضرت ایشاں عارض می شود۔ (شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین، ص ۱۷۷)

اس طرح سلب کرلیا کہ اسے فوراً شفاء کاملہ ہوگئی۔ البتہ کبھی کبھی قولنج کا یہ عارضہ حضرت شیخ کو ہوجاتا تھا۔

اس واقعہ میں حضرت شیخ محمد سے بیماری میں استمداد اور ان کا مافوق الاسباب طریقہ سے استمداد کرنا بالکل واضح ہے۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

سید محمد وارث ذکر کرد که مرا سفر لے پیش آمد بجناب ایشاں رجوع کردم بشارت عافیت دادند، اتفاقاً دراں سفر شبے قطاع الطریق هجوم کردند و خوف هلاک مستولی شد بجناب ایشاں متوجه شدم دراں حالت مرا رعشه گرفت ایشاں را در منام دیدم که میفر مانید فلانے ترا که منع کرده است برخیز و برد دو عدد لدو که قسمی است از خلاوة مرا عنائیت فرمودند آں را در هیچ فوطه نگاه داشتم چوں بیدار شوم آں دو عدد را بعینه یافتم برخاستم و سوار شدم و راه خود گرفتم همه قطاع طریق از من غافل ماندندو هیچ کس متعرض نشد وآں لدو مدتها بامن ماند چوں ایشاں ازیں

سید محمد وارث کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا۔ میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے توجہ کی درخواست کی آپ نے خیر و عافیت کی خوش خبری دی۔ اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا۔ اس حالت میں حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا۔ فوراً مجھ پر رعشہ طاری ہوگیا اور خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: فلانے! تمہیں کس نے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ اس کے بعد آپ نے مجھے دو لڈو عنایت فرمائے جو میں نے جیب میں رکھ لئے جب اس غنودگی سے بیدار ہوا کہ میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لڈو بدستور میری جیب میں موجود ہیں چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے اور ان میں

عالم انتقال کردند آن رابخور دم عجوزہ را از مخلصات ایشان بعد وفات ایشان تپ لرزہ در گرفت و بغایت نزار گشت شبے بہ نوشیدن آب و پوشیدن لحاف محتاج شد و طاقت آں نداشت و کسے حاضر نبود ایشان متمثل شدند و آب دادند و لحاف پوشانیدند آنگاہ غائب شد۔

(شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، انفاس العارفین، ص ۱۷۸)

سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر سکا۔ وہ لڈو ایک عرصہ تک (بطور تبرک) میرے پاس موجود رہے۔ مگر جب حضرت شیخ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھا لئے۔ حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک عورت تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئی اور انتہائی کمزور پڑ گئی رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی خود اسے اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور پاس کوئی تھا نہیں چنانچہ حضرت شیخ متمثل ہو کر تشریف لائے آپ نے اسے پانی پلایا، لحاف اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

ان دونوں واقعات میں شاہ ولی اللہ نے غائبانہ طور پر اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کا امداد کرنا بیان کیا ہے اور اس سے پہلے ''انفاس العارفین'' میں جس قدر واقعات بیان کئے گئے ہیں ان سب میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے اور یہی ولی اللہی مسلک ہے۔ لہٰذا اس کے برخلاف شاہ صاحب سے جو کچھ منقول ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ کسی شخص کو ذاتی قوت واختیار کا مالک سمجھ کر اس سے استمداد کی جائے اس لئے مخالفین نے اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ کے جس قدر حوالے پیش کئے ہیں وہ انہیں مفید نہیں ہیں۔

شاہ عبدالعزیز اور استمداد

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مخالفین بہت مانتے ہیں بلکہ ان کو اپنا روحانی باپ تسلیم کرتے ہیں۔

بعض مخالفین لکھتے ہیں:

بلاشبہ مسلک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پدر تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: بلاشبہ دیوبندی حضرات کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز کا فیصلہ حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

(محمد سرفراز صفدر، اتمام البرہان، ص ۱۲۸)

فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا مسلک اپنے والد شاہ ولی اللہ کی طرح ہے اور وہ فوت شدہ بزرگوں سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ "بستان المحدثین" میں شیخ سیدی زروق فاسی کے احوال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حاشیہ شیخ سیدی زروق فاسی علی البخاری:

وے ابو العباس احمد بن احمد بن محمد بن عیسی برتسی فاسی ست معروف بہ زروق روز پنجشنبہ وقت طلوع آفتاب بست و هشتم محرم سال هشت صدو چهل و شش تولد اوست و مادر و پدرش قبل ازسال هفتم قضا کردند از علماء کبار دیار مغرب مثل فوری و محاجی و استاد ابو عبداللہ صغیر و امام صعابی و ابراهیم ناری و سیوسی و سخاوی مصری در صائع دوئمی و دیگر بزرگان آنجا اخذ علوم کرده شیخ او سیدی زیتون رحمة اللہ علیہ در حق او بشارت داده که اواز ابدال سبعه است و باوصف علو حال باطن

یہ (شہاب الدین) ابوالعباس احمد بن احمد بن محمد عیسیٰ برتسی فاسی ہیں جو زروق کے نام سے مشہور ہیں۔ بروز پنجشنبہ بوقت طلوع آفتاب ۲۸ محرم ۸۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس کے نہ ہوئے تھے کہ ان کے ماں باپ نے انتقال کیا۔ دیار مغرب کے بڑے بڑے علماء مثلاً فوری، محاجی، استاد ابو عبداللہ صغیر، امام صعابی، ابراہیم ناری، سیوسی، سخاوی، مصری، صائع دوئمی اور اس مقام کے دیگر بزرگوں سے علوم حاصل کئے۔ ان کے شیخ سید زیتون رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حق میں بشارت دی تھی کہ وہ ابدال سبعہ میں سے ہیں۔ حال باطنی میں یہ بلند مرتبہ رکھتے ہوئے علوم ظاہرہ میں بھی ان کی تصانیف

تصانیف او در علوم ظاهره نیز نافع شده مفید و کثیر الفائده از انجمله است این حاشیه که نهایت برجسته واقع شده شرح رساله ابن زیر درفقه مالکی و شرح ارشاد ابن عسکر در شرح چند باب متفرق از مختصر خلیل که درفقه مالکی مشهور ترین کتب ست و شرح قرطبیه و شرح راغبیه و شرح عافیه و شرح عقیده قدسیه و بست و چند شرح برحکم شیخ تاج بن عطاء الله اسکندر رانی و شرح حزب البحر و شرح مشکوٰة الحزب الکبیر و شرح حقائق المقری وشرح اسماء حسنی وشرح مراصد که از تصانیف شیخ ابو العباس احمد بن عقبة الحضری و نصیحته کافیه و مختصر آن و اعانة المتوجه المسکین علی طریق والقیم والتمکین و قواعد التصوف که دز غایت خوبی و حسن واقع شعر و حوادث الوقت که کتاب ست نهایت نفیس در صد فصل برائے رد بدعات فقراء وقت خود تصنیف نموده و

نفع بخش اور بہت مفید واقع ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک یہ حاشیہ ہے جو نہایت ہی برجستہ واقع ہوا ہے۔''شرح رسالہ ابن ابی زیر'' بھی ہے جو فقہ مالکی میں ہے۔کتاب ''ارشاد ابن عسکر'' جو فقہ مالکی کی مشہور کتاب ''مختصر شیخ خلیل'' کے چند ابواب کی شرح ہے، اس کی شرح لکھی۔ شرح قرطبیہ، شرح راغبیہ ، شرح عافیہ، شرح عقیدہ قدسیہ، بست وچند شرح برحکم شیخ تاج بن عطاء اللہ اسکندررانی، شرح حزب البحر، شرح مشکوٰۃ الحزب الکبیر، شرح حقائق المقری، شرح اسماء حسنیٰ، شرح مراصد جو ان کے شیخ ابوالعباس احمد بن عقبۃ الحضری کی تصنیف ہے۔ نصیحت کافیہ اور اس کا مختصر ''اعانۃ المتوجہ علی المسکین علی الطریق القیم والتمکین'' قواعد التصوف جو حسن وخوبی میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔''حوادث الوقت'' جو نہایت نفیس کتاب ہے۔ اور سو فصلوں میں اس زمانہ کے فقیروں کی بدعات کے رد میں تالیف کی ہے۔ علم حدیث میں بھی ایک مختصر رسالہ لکھا ہے۔ نیز اپنے احباب کے لئے بہت سے ایسے مراسلات تحریر فرمائے جن میں ان کو

رساله مختصره در علم حدیث و مراسلات بسیاری که برای یاران خود در آداب و حکم و مواعظ و لطائف سلوک نوشته بالجمله مرد جلیل القدر یست که مرتبه کمال او فوق الذکر ست و او آخر محققان صوفیه است که بین الحقیقة والشریعة جامع بوده اند و بشگردی او اجله علماء متفخر و مباهی بوده اند مثل شهاب الدین قسطلانی که سابق حال او مذکور شد و شمس الدین لقانی و خطاب الکبیر و طاهر بن زبان رادی۔

آداب وحکم مواعظ و لطائف سلوک لکھتے تھے۔ الغرض وہ جلیل القدر شخص تھے ان کے مرتبہ کمال کو ظاہر کرنا تحریر و بیان سے باہر ہے۔ وہ متاخرین صوفیہ کرام کے ان محققین میں سے ہیں، جنہوں نے حقیقت وشریعت کو جمع کیا ہے۔ شیخ شہاب الدین قسطلانی جن کا حال پہلے گزر چکا ہے شمس الدین لقانی، خطاب الکبیر طاہر بن زبان روادی اور ان جیسے بڑے بڑے علماء نے ان کی شاگردی پر فخر و ناز کیا ہے۔

و او را قصیده است بر طور قصیده جیلانیه که بعض ابیات او انیست۔

قصیدہ جیلانیہ کی طرز پر ان کا ایک قصیہ ہے، جس کے بعض ابیات یہ ہیں۔

انا لمریدی جامع لشاته
میں اپنے مرید کو تسلی دینے والا ہوں

اذا ما سطا جور الزمان بنکبته
جب زمانہ نکبت وادبار سے اس پر حملہ آور ہو

وان کنت فی ضیق و کرب و وحشة
اگر تو کسی تنگی بے چینی اور وحشت میں ہوتو

فناد بیاز روق ات بسرعه
یا زروق کہہ کر پکار میں فوراً آموجود ہوں گا

وفات او در بلاد طرابلس المغرب در ماه سفر سال هشت صد و نو دونه اتفاق افتاد رحمة الله علیه۔

ماہ صفر ۸۹۹ھ میں بلاد طرابلس میں ان کا انتقال ہوا رحمۃ اللہ علیہ۔

شاہ عبدالعزیز نے حضرت زروق کے تذکرہ میں ان کے اشعار ذکر کر کے یہ واضح کر

دیا کہ ان کے نزدیک امور غیر عادیہ میں فوت شدہ بزرگوں سے استمداد کرنا اور مشکلات اور مصیبتوں میں غائبانہ امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات قدسیہ کو یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ قضاء الٰہی کے مطابق فریاد کرنے والوں کی مصیبتوں کو دور کر دیتے ہیں۔ اس لئے اگر شاہ عبدالعزیز نے کہیں ان کے خلاف لکھا ہے تو وہ صرف اس صورت پر محمول ہے، جب کہ کسی شخص کو مستقل اور ذاتی قوت واختیار کا مالک سمجھ کر اس سے مدد طلب کی جائے جیسا کہ تھانوی صاحب نے بھی لکھا ہے۔ بنابریں جو مخالفین اس بحث میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے پیش کرتے ہیں وہ ان کو قطعاً سودمند نہیں ہیں۔

حاجی امداد اللہ اور استمداد

اشرف علی صاحب تھانوی نے حاجی امداد اللہ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ حاجی امداد اللہ تمام علماء دیوبند کے مرکزی پیر کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کے ملفوظات دیوبند کے تمام مکتبہ فکر پر حجت ہیں۔ خصوصاً جب کہ انہیں تھانوی صاحب کی تائید بھی حاصل ہے۔

سنئے! حاجی صاحب کیا کہتے ہیں؟

(ملفوظ نمبر ۳۰۰) فرمایا کہ ایک بار مجھے ایک مشکل پیش تھی اور حل نہ ہوتی تھی میں نے حطیم میں کھڑے ہو کر کہا کہ تم لوگ تین سو ساٹھ یا کم زیادہ اولیاء اللہ کے یہاں رہتے ہو اور تم سے کسی غریب کی مشکل حل نہیں ہوتی تو پھر تم کس مرض کی دوا ہو؟ یہ کہہ کر میں نے نماز نفل شروع کر دی میرے نماز شروع کرتے ہی ایک آدمی کالا آیا اور وہ بھی پاس ہی نماز میں مصروف ہو گیا اس کے آنے پر میری مشکل حل ہو گئی۔ جب میں نے نماز ختم کی وہ بھی سلام پھیر کر چلا گیا۔

تھانوی صاحب اس ملفوظ پر حاشیہ لکھتے ہیں:

(حاشیہ) قولہ تم لوگ تین سو ساٹھ یا کم زیادہ اولیاء اللہ کے یہاں رہتے ہو اقول اہل کشف کو اتنے عدد میں اولیاء کا اکثر اوقات حاضر حرم رہنا معلوم ہوا ہے اور غالباً یہ شکل باطنی تھی۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ، امداد المشتاق، ص ۱۲۱)

اصل بات تھانوی صاحب نے یہاں نہیں لکھی اور وہ ہے اپنی مشکل میں حاجی امداد

اللہ کا اولیاء اللہ سے مافوق الاسباب طریق پر استمداد کرنا اور غائبانہ نداء کرنا۔ اور ان کے پکارنے سے اولیاء اللہ کی مشکل کا حل ہو جانا۔

ملفوظ نمبر ۲۹۰:

(راوی ملفوظات) حضرت کی خدمت میں "غذاء روح" کا وہ سبق جو حضرت شاہ نور محمد صاحب کی شان میں ہے سنا رہا تھا جب اثر مزار شریف کا بیان آیا آپ نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان اور روٹیوں کا محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے یا آدھ آنہ روز ملا کرے گا۔ ایک مرتبہ میں زیارت مزار کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا۔ اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا: مجھے ہر روز وظیفہ مقرر پائیں قبر سے ملا کرتا ہے۔

(اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ، امداد المشتاق، ص ۱۱۷)

حاجی امداد اللہ صاحب نے شاہ نور محمد کا جو یہ واقعہ بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت بزرگوں کے مزار پر جا کر ان سے اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے فریاد کرنا حاجی صاحب اور تھانوی صاحب دونوں کے نزدیک جائز ہے۔

اولیاء اللہ کی قبر میں موجود ہونے کے باوجود بھی تصرف کرتے ہیں اور فریادیوں کی امداد کرتے ہیں اور یہ جو کچھ مذکور ہے امور غیر عادیہ سے ہے جس کو ہم مافوق الاسباب سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ امداد عام اسباب سے علیحدہ طریق پر ہوئی۔

ملفوظ نمبر ۳۱۲:

فرمایا کہ خدا جانے لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں اور میں کیا ہوں محبوب علی نقاش نے آکر بیان کیا ہمارا آگبوٹ تباہی میں تھا میں مراقب ہو کر آپ سے ملتجی ہوا آپ نے مجھے تسکین دی اور آگبوٹ کو تباہی سے نکال دیا۔ (اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ، امداد المشتاق، ص ۱۴۴)

تھانوی صاحب نے اس واقعہ کو "کرامات امدادیہ" میں زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے۔

جس کو ہم نے بھی "توضیح البیان" میں نقل کیا ہے اور تفصیل سے اس پر گفتگو بھی کی ہے۔

حاجی صاحب نے اس واقعہ میں خود بیان کیا ہے کہ ان کے ایک مرید نے جہاز کو

جب تباہ ہوتے دیکھا تو حاجی صاحب سے استمداد کی اور حاجی صاحب نے مافوق الاسباب طریق سے اس کی امداد کی۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہو گیا کہ مشکلات اور مصیبتوں میں بزرگوں سے مافوق الاسباب طریقہ سے استمداد کرنا اسی وقت شرک قرار پائے گا جب کہ جس سے مدد طلب کی جائے اس کو مستقل اعتقاد کیا جائے اور یہی مشرک کا مدار ہے۔

اسماعیل دہلوی کے پیرومرشد سید احمد بریلوی متوفی ۱۲۴۲ھ کے بھانجے اور خلیفہ مجاز سید محمد علی سفر حج کے دوران کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

دریں منزل قریب نصف شب بوادی سرف که مزار فائض الانوار ترمعلی جناب میمونه علیهما و علی بعلها الصلوٰة والسلام من الله الملک العلام رسیدیم از اتفاقات عجیبیه آنکه آں روز هیچ طعام نخورده بودم چوں از خواب آں وقت بیزار شوم از غایت گرسنگی طاقتم طاق و بدر ردیم در محاق بود بطلب نان پیش هر کس دویدیم و بمطلب نه رسیدم بنا چار برائے زیارت در حجره مقدسه رفتم و پیش تربت شریفه گدایانه ندا کرده گفتم اے جده امجده من مهمان شما هستم چیزے خوردنی عنائت فرما و اورا محروم از الطاف کر یمانه خود خمانگاه سلام کردم	اثناء سفر میں آدھی رات کے وقت ہم لوگ وادی سرف میں پہنچے جہاں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار پرانوار ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس دن میں بالکل بھوکا تھا اور جب صبح آنکھ کھلی تو بھوک سے بالکل بے دم ہو چکا تھا اور میرے چہرے کا چاند گہنا چکا تھا صرف ایک روٹی کے حصول کے لئے ہر کسی کے پاس دوڑا مگر کہیں سے مطلوب حاصل نہ ہوا۔ مجبور ہو کر ام المومنین کے روضہ مقدسہ پر حاضری دی اور آپ کی قبر انور سے رزق کی بھیک مانگی اور کہا: اے میری دادی جان! میں آپ کا مہمان ہوں کھانے کے لئے کوئی چیز عنایت فرمایئے اور مجھ کو اپنے لطف و کرم سے محروم نہ فرمایئے پھر میں نے سلام عرض کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر اس

و فاتحه و اخلاص خوانده ثوابش بروح برفتوحش فرستادم انگاه نسته بر قبرش باده بودم از رازق مطلق و دانائے برحق دو خوشه انگوشه تازه برستم افتاده طرفه تر آنکه آں آیام سرما بود و هیچ جا انگور تازه میسر نبود بحیرت افتادم یکیے ازاں هر دو خوشه هموں جانشسته تناول نموده از حجره بیرو نشدم و یک یک دانه بریک تقسیم کردم و گفتم یافت مریم گو بهنگام شتا میوه هائے جنت از فضل خدا ایں کرامت در حیاتش بود و بس بعد فوتش نقل ننموداست کس۔ بعد فوت زوج ختم المرسلین رفته چندیں قرنهاری دوربین بنگر ازوے ایں کرامت یافتم و ایه صد گو نه نعمت یافتم!۔ (محمد علی مخزن احمدی ص ۹۹)

کا ثواب آپ کی روح مبارک کو پہنچایا۔ میں نے آپ کی قبر انور پر اپنا سر رکھا ہوا تھا۔ ناگاہ اللہ تعالیٰ نے تازہ انگوروں کے دو خوشے میرے ہاتھوں میں ڈال دیئے۔ عجب تماشہ یہ تھا کہ ان دنوں موسم سرما تھا اور کسی جگہ اس وقت تازہ انگور دستیاب نہ تھے انتہائی حیرت ہوئی ان انگوروں میں سے کچھ وہیں کھائے اور کچھ حجرہ مقدسہ سے باہر جا کر تقسیم کئے اور پھر یہ اشعار پڑھے: اگر حضرت مریم نے موسم سرما میں جنت کا میوہ فضل خدا سے پالیا ان کی کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی ان کے وصال کے بعد کسی سے یہ کرامت منقول نہیں حضور کی زوجہ کے وصال کو کتنی صدیاں گزر چکی ہیں۔ دیکھو! اس کے باوجود میں نے ان سے اس کرامت کو پالیا اور مایہ صد افتخار نعمت کو حاصل کیا۔

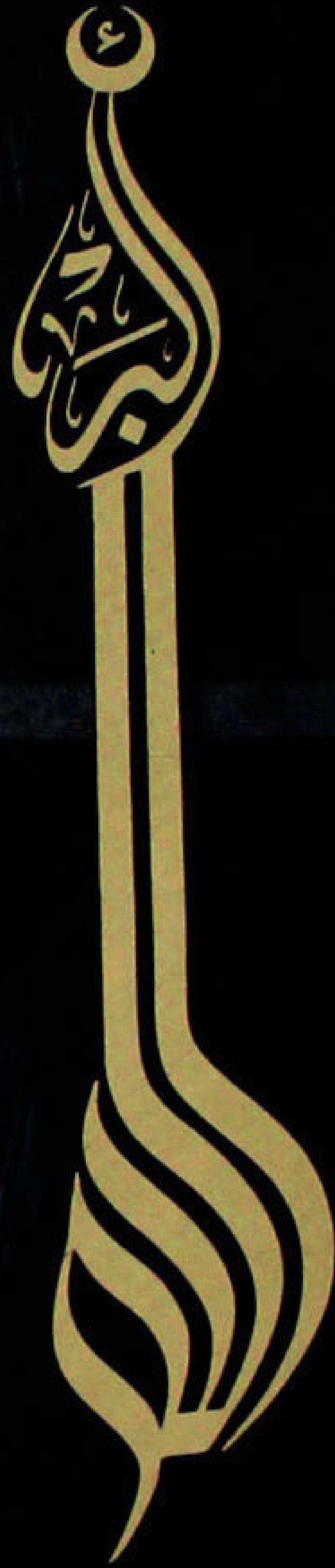
اس طویل اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ قضائے حاجت کے لئے قبر پر جانا، صاحب قبر سے رو رو کر مطلب برآری کے لئے درخواست کرنا جائز ہے اور تمام اہل دیوبند کے مسلم مقتداء سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز محمد علی کو جب دنیا میں کہیں سے کھانے کو کچھ نہ ملا تو سیدتنا ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے ملا اور یہ کہ سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز نے قبر پر آ فاتحہ بھی پڑھی، نداء بھی کی، سلام بھی پڑھا اور بطور مافوق الاسباب امور استمداد بھی کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اشرف علی

تھانوی اور محمد علی (سید احمد کے بھانجے) کی صاف اور غیر مبہم عبارات سے ہم نے اولیاء اللہ سے استمداد تفصیل سے بیان کر دی ہے اور یہ تمام حضرات مکتبہ فکر دیوبند پر حجت ہیں۔ اب مخالفین کو سوچنا چاہئے کہ وہ اولیاء اللہ سے استمداد کو کفر اور شرک قرار دے کر اپنے ہی بزرگوں کے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں۔ بہتر ہے اس غلط طریقہ کو چھوڑ دیں اور اپنے غلط اور گمراہ کن عقیدہ سے رجوع کریں تمام امت مسلمہ کو کافر اور مشرک بنانے سے گریز کریں۔ واللہ یھدی الی الصواب۔ (غلام رسول سعیدی)



یادداشت



ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور- کراچی ○ پاکستان